طلبائے شعبہ اسلامیات، مانو کی سرگرمیوں کا آئینہ دار

اسلامی مطالعات

ISLAMI MUTALA'AT

جلد: 1 شمارہ: 4 صفحات: 4 شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد ربیع الاول وربیع الثانی 1438ھ دسمبر وجنوری 17-2016ء

زیر نگرانی : ڈاکٹر محمد فہیم اختر
زیر ھدایت : محترمہ سیدہ آمنہ
مجلس مشاورت : ڈاکٹر محمد عرفان احمد
مولانا محمد سراج الدین، محترمہ ذیشان سارہ

مدیر : صالح امین
مجلس ادارت : سید عبدالرشید، محمد عامر
مجلس انتظامی : طفیل احمد، محمد خالد، صلاح الدین

شعبہ سے رابطہ کے لئے پتہ

شعبہ اسلامک اسٹڈیز، اسکول برائے فنون وسماجی علوم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد 500032
فون نمبر: 040-23008364
ای میل: doismanuu@gmail.com
ویب سائٹ: www.manuu.ac.in

اداریہ

حرفِ آغاز

ہمیں بیحد خوشی ہے کہ دیواری پرچہ ''اسلامی مطالعات'' کا چوتھا شمارہ وقت متعین پر آپ کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔ اس پر ہم اللہ کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں کہ یہ محض اسی کی توفیق اور مہربانی سے ہوسکا اور ہمیں اس میں کامیابی حاصل ہوئی۔

گزشتہ شماروں کی طرح اس شمارے کے قلم کار بھی شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ ہیں، شمارے کے تمام مضامین طلبہ کی خود اپنی کاوشیں اور تخلیقات ہیں۔ اس شمارے میں کل نو مضامین شامل ہیں جو مختلف النوع موضوعات کے حامل ہیں، مثلاً ایک مضمون ہندوستان میں تحقیق وتدوین کے حوالہ سے متحرک اور فعال ادارہ کے تعارف اور خدمات پر مشتمل ہے، دوسرا اہم مضمون جنگ تالاس اور اس کے پس منظر اور پیش منظر پر مشتمل ہے، یہ مضمون اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ جنگ تالاس کے بعد ہی مسلمانوں نے مفتوحین سے کاغذ کی صنعت کاری کا طریقہ سیکھا اور اس کو خوب فروغ دیا۔ ایک اہم مضمون میں معاشرے کی تشکیل کے سلسلہ میں اسلام کے رہنما اصول کی تشریح وتوضیح کے طور پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نظریہ ارتفاقات کو شامل کیا گیا ہے۔ ایک مضمون تصوف اور سلوک وادب کے حوالہ سے اخلاص پر ہے، اس میں قرآن، حدیث اور اقوال صوفیاء کی روشنی میں اخلاص پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہندوستان میں اس وقت جو چیزیں اور جو مسائل سب سے زیادہ بحث کے موضوع بنے ہوئے ہیں ان میں ایک یونیفارم سول کوڈ ہے؛ اس عنوان کے تحت بھی ایک مضمون شامل کیا گیا ہے۔ ایک مضمون ربیع الاول کی مناسبت سے سیرت پر ہے، جو اس شمارے کا حصہ ہے۔ اسلامی علوم وفنون میں جن لوگوں نے لازوال خدمات انجام دی ہیں اور جن کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ان میں ایک جلیل القدر محدث ابن ماجہ ہیں؛ چنانچہ ایک مضمون امام ابن ماجہ اور ان کی سنن پر مشتمل ہے، اسی طرح عہد جدید کے مسلم رہنماؤں میں شکیب ارسلان کی حیات وخدمات پر ایک مضمون ہے کہ انہوں نے مسلمانوں میں بیداری لانے کی بہت اہم کوششیں کیں۔ ایک اور مضمون دہلی کے علمی سفر کی روداد کی شکل میں ہے جو نہایت دلچسپ اور خوبصورت پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ ان متنوع مضامین کے ساتھ شعبہ کی خبریں بھی اس شمارے کا حصہ ہیں، جس میں دسمبر اور جنوری کی خبروں کے علاوہ نومبر کی ان خبروں کو بھی شامل کیا گیا ہے جو گزشتہ شمارے میں آنے سے رہ گئی تھیں۔

گزشتہ شماروں کی طرح قلمی کاوشوں اور نوخیز محنتوں کے ساتھ اس پرچہ کی تیاری میں طلبہ نے خود کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، ڈیزائنگ اور پرنٹ آؤٹ وغیرہ کی اہم ذمہ داریاں انجام دی ہیں، اور اب اپنے تمام تر ظاہری اور باطنی حسن وزیبائش کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے، فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے کہ ہم طلبہ اپنی محنت وکاوش میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں، ساتھ ہی ہمیں آپ کے رہنما ہدایات اور مشوروں کا بھی انتظار رہے گا تاکہ ہم آئندہ شماروں کو مزید بہتر اور معیاری بنا سکیں۔

اخیر میں ہم اپنے اساتذہ کا شکریہ ادا کرنا چاہیں گے جنہوں نے اس شمارے کی تیاری میں ہمیں اپنے قیمتی اور مفید مشوروں سے نوازا اور ہر وقت ہماری رہنمائی کرتے رہے۔ ہم اپنے تمام رفقاء کے مشکور ہیں جنہوں نے اپنے قیمتی مضامین کے ذریعہ ہمارا تعاون کیا اور اس شمارے کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا، اللہ ان تمام کی محنتوں کو قبول فرمائے، آمین۔

☆☆☆

صالح امین

یونیفارم سول کوڈ۔ غور وفکر کے چند گوشے

محمد خالد، ایم اے، سال دوم

دستور ہند کا ایک حصہ ''بنیادی حقوق'' (Fundamental Rights) کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ دستور کا تیسرا باب ہے۔ دستور کے دفعہ 12 سے دفعہ 35 کے اندران تمام حقوق کو درج کیا گیا ہے، جس میں شہریوں کے مختلف بنیادی حقوق کے ساتھ ان کے مذہبی حقوق کا بھی ذکر کیا گیا، اور اس کے ذریعہ ملک کے تمام شہریوں کو بلاتفریق مذہب وملت مذہبی آزادی کا ایک ایسا حق دے دیا گیا ہے جو کوئی چھین نہیں سکتا، اگر حکومتیں بھی چاہیں تو اس حق پر دست درازی نہیں کرسکتیں۔ ایسی کسی قسم کی حرکت دستور کی خلاف ورزی تصور کی جائے گی، اس میں ضمیر وفکر کی آزادی، عقیدہ کی آزادی، مذہب پر عمل کرنے کی آزادی اور اس کی تبلیغ کی آزادی سب شامل ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر عدالتوں کو بھی ان حقوق کے خلاف جانے کی اجازت نہیں ہے؛ لیکن دستور کا ایک شق ''رہنما اصول'' (Directive Principles) کے نام سے موسوم ہے، اس کے آرٹیکل 44 میں ''یونیفارم سول کوڈ''، یعنی یکساں شہری قانون کے نفاذ کی سفارش کی گئی ہے، اسی آرٹیکل کو بنیاد بنا کر سماج کا ایک مخصوص طبقہ وقفہ وقفہ سے ''یونیفارم سول کوڈ'' کے نفاذ کا نعرہ دیتا رہا اور یہ مطالبہ کرتا رہا کہ جب ملک ایک ہے تو تمام شہریوں کے لئے قانون بھی ایک ہونا چاہئے، جس کی وجہ سے پورے ملک میں بار بار ایک کشمکش اور تناؤ کی کیفیت پیدا ہوتی رہی، بنیادی حقوق کے ضمن میں تمام شہریوں کو مذہب کی جو آزادی فراہم کی گئی ہے۔ یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ سے وہ بالکلیہ متاثر ہوکر رہ جائے گی اور اس کو کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے مسلمان تو کبھی نہیں کرسکتا۔ اسی کے ذریعہ مسلمانوں اور دیگر اہل مذاہب کو اپنے پرسنل لاء پر عمل کی بھی آزادی میسر ہوتی ہے، جو یونیفارم سول کوڈ سے ختم ہوکر رہ جائے گی۔

یونیفارم سول کوڈ کی دفعہ شامل کرنے کے پیچھے یہی خواہش اور آرزو تھی کہ اس کے ذریعہ ہندوستان کی مختلف عوام، طبقوں اور فرقوں کے درمیان اتحاد ویکجہتی پیدا ہو، یہ مفروضہ قائم کرلیا گیا تھا کہ قوانین کی یکسانیت عوام کے درمیان اتحاد کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرے گی اور مختلف مذہبی، تہذیبی اور نسلی گروہوں کے درمیان امن وہم آہنگی کے لئے اساس بنے گی۔ یونیفارم سول کوڈ کے حامیوں کی نیت قابل تعریف ہی سہی؛ لیکن ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان لوگوں نے تاریخ اور عالمی حقائق سے کوئی سبق نہیں سیکھا، چونکہ مذہب، پرسنل لاء، وضع قطع، تہذیب وثقافت اور روایات کی یکسانیت بھی یورپی ممالک کو دو انتہائی خون آشام عالمی جنگوں سے نہ روک سکی، یہ بھی کہا جاتا رہا کہ یکساں سول کوڈ سے قوم پرستی کا جذبہ طاقت ور ہوگا؛ لیکن یہ حضرات اس حقیقت کو نہ محسوس کرسکے کہ ہندوستان یورپی ملکوں کی طرح چھوٹا ملک نہیں ہے اور یورپی اقوام کی طرح ایک نسل، ایک تہذیب یا ایک زبان کا ملک بھی نہیں ہے، بلکہ ذیلی براعظموں جیسی وسعت رکھنے والا یہ ملک ہندوستان متعدد تہذیبوں، مذہبوں، زبانوں اور نسلوں کا گہوارہ ہے، اگر ہم یورپ کے تناظر میں دیکھیں تو ہندستان کئی قومیتوں پر مشتمل ایک قوم ہے۔

مختلف مواقع پر ان حضرات کی طرف سے ''یونیفارم سول کوڈ'' کے نفاذ کے ارادوں کا اظہار رہا ہے، مثلاً جب ہندو پرسنل لاء کو نئی شکل دی جارہی تھی تو اس وقت کے مرکزی وزیر قانون مسٹر پاٹسکر نے کہا تھا ''ہم نے آئین کے نفاذ (26 جنوری 1950ء) کے بعد اسپیشل میریج ایکٹ اور ہندو میریج ایکٹ پاس کئے ہیں، ان ہندو قانون وراثت کا مسودہ پارلیمنٹ میں زیر غور ہے، یہ سب ضابطہٴ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات ہیں''، ضابطہٴ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات کے سلسلہ میں سب سے پہلے ہندو بھائیوں کو نمبر کیوں آیا؟ پورے ملک میں ''یونیفارم سول کوڈ'' کس طرح نافذ کیا جائے گا؟ اس کا جواب انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں یوں دیا: ''ہندو قوانین میں جو اصلاحات جاری ہیں، وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کی جائیں گی، اگر ہم ایسا قانون بنانے میں کامیاب ہوگئے جو ہماری پچاس فیصد آبادی کے لئے ہو تو باقی آبادی پر اسے نافذ کرنا مشکل نہ ہوگا، اس قانون سے پورے ملک میں یکسانیت پیدا ہوگی''، اب اندازہ لگائیں کہ ''سول لاء'' کو یونیفائیڈ یعنی یکساں کرنے کا کیا مقصد ہے اور ان کے پاس اس کا کیا نقشہ ہے، اور ذرا سوچیں کہ اس کے ذریعہ اتحاد میں اضافہ ہوگا یا نفرت اور عدم رواداری کی فضا پروان چڑھے گی؟

سماجی اصلاح اور غیر جانبدارانہ انصاف کا نام لیکر یونیفارم سول کوڈ کی حمایت کی جاتی ہے تو کیا فوجداری قانون سو فیصدی یکساں نہیں ہے؟ کیا اس سے انصاف کے تقاضے پورے ہوگئے؟ اگر قانون کی یکسانیت انصاف کی ضمانت ہوتی کہ اس سے سماج میں ہم آہنگی اور یکجہتی پیدا ہوگی اور انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے تو کیا بات ہے کہ آج ہمارے سماج میں ناانصافی، معاشرتی نابرابری اور ظلم وزیادتی کا دور دورا ہے؟ ''مسلم پرسنل لاء'' کی حمایت کرنے پر مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہوئے انھیں لاجواب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یونیفارم سول کوڈ سے صرف مسلم قوم کو کیوں ضد ہے؟ تو کیا ہمارے سامنے ناگاؤں اور میزوؤں کی مثال موجود نہیں ہے کہ اس کے بغیر انہوں نے علم بغاوت کو نہیں جھکایا کہ ان کو کچھ خصوصی رعایتیں دی جائیں، جس کے لئے دستور میں دفعہ (A)371 کا اضافہ عمل میں لایا گیا، جس میں ان کے لئے اپنے قبائلی قانون پر عمل کرنے کی آزادی کو تسلیم کیا گیا، اسی طرح یونیفارم سول کوڈ کی مخالفت چھوٹی ذاتوں کے ہندو، قبائلی، لنگائیت فرقہ اور تمام اقلیتیں کررہی ہیں، یہ الگ بات ہے کہ جان بوجھ کر اس حقیقت پر پردہ ڈال کر مسلمانوں کو یکتا وتنہا دکھانے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے، ہم سب کو واقف ہونا چاہئے کہ ہندوؤں کی مختلف ذاتوں اور طبقوں میں نکاح وغیرہ کے سلسلہ میں ان کے الگ الگ طریقے ہیں، حد تو یہ ہے کہ ملک کے سارے ہندوؤں کے بنیادی عقائد اور ان کے عبادات میں بھی مکمل ہم آہنگی اور یکسانیت نہیں ہے، چنانچہ اس ملک اور اس کے باشندوں کی فلاح وبہبود اسی میں ہے کہ ہر گروہ کو اپنے اپنے پرسنل لاء پر عمل کو جو آزادی دستور کی رو سے انھیں ملی ہے انھیں وہ دی جائے، ایسا کرنا ملک کے مفاد میں ہوگا، اس سے قومی یکجہتی پروان چڑھے گی، نہ یہ کہ اس کو اس سے نقصان ہوگا، ہم جدوجہد آزادی کی تاریخ کو بھی اپنی نظروں کے سامنے رکھ سکتے ہیں کہ باوجود دین ومذہب، زبان اور تہذیب وثقافت کے اختلاف کے سبھوں نے شانہ سے شانہ ملا کر انگریزوں کے خلاف معرکہ آرائی کی اور اس ملک کو آزاد کرا کے دنیا کے نقشہ پر اس بات کا ثبوت نقش کر گئے کہ فکر ونظر اور تہذیب وثقافت کے اختلاف، تنوع اور رنگارنگی کے ہوتے ہوئے بھی محبت، صلح، رواداری اور سماجی ہم آہنگی ممکن ہے، اور اس تنوع اور اختلاف کے باوجود بھی ایک صالح اور عظیم انقلاب کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے۔

☆☆☆

تالاس کی جنگ اور کاغذ کا انقلاب

سید عبد الرشید، پی ایچ ڈی

وسط ایشیا میں پامیر (Pamir) کا بلند وبالا اور وسیع ترین پہاڑی سلسلہ واقع ہے، دنیا کے بلند ترین خطوں میں ہونے کی وجہ سے اس کو دنیا کی چھت بھی کہا جاتا ہے، جہاں سے ایشیا کی دو بڑی نہریں جیحون اور سیحون نکلتی ہیں، مقامی زبانوں میں جیحون کو آمو دریا (Amu Darya) اور سیحون کو سیر دریا (Syr Darya) بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں نہروں کے بیچ میں واقع علاقہ کو عربوں نے ماوراء النہر کا نام دیا تھا، جس کو فارسی میں فرارود (ورائے رود) اور انگریزی میں (Transoxiana) کہتے ہیں۔

ماوراء النہر سے مسلمانوں کے روابط خلافت راشدہ میں ہی قائم ہوگئے تھے۔ حضرت عثمان کے دور میں احنف بن قیس اور جیحون کے سرحدی علاقہ طخارستان کے خاقان ترک کے درمیان جنگ ہوئی، جس نے ایرانی بادشاہ یزدگرد کو پناہ دی تھی، احنف کو فتح ہوئی اور صلح نامہ لکھا گیا۔ 54ھ میں عبداللہ بن زیاد نے خراسان پر حملہ کیا اور جیحون کو پار کرکے بخارا تک پہنچ گئے۔ ولید بن عبد الملک کے دور میں قتیبہ بن مسلم نے 83ھ سے 96ھ کے درمیان پورا ماوراالنہر کا علاقہ فتح کرلیا اور چین کی حدود تک پہونچ گئے، 94ھ میں بخاری میں پہلی مسجد کی بنیاد رکھی۔ مسلمان فاتحین کے رحم دلانہ اور منصفانہ سلوک کی وجہ سے یہاں کے باشندے اسلام سے قریب آنے لگے، جب قتیبہ نے بلخ فتح کیا تو اہل شہر نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں اس علاقہ کے بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا اور مشرقی علاقہ کے ترکوں کے خلاف مسلمانوں کا ساتھ دینے لگے، جن کو چین کی طرف سے مسلسل امداد ملتی رہتی تھی۔

132ھ مطابق 750ء میں عباسی حکومت کا آغاز ہوا۔ چین کی حلیف ریاست فرغانہ اور مسلمانوں کی حلیف ریاست چاچ یا شاش کے درمیان چپقلش ہوتی رہتی تھی۔ فرغانہ کے امیر نے شاہ چین کی مدد لے کر شاش پر حملہ کرکے دار السلطنت پر قبضہ کرلیا۔ یہ دیکھ کر عباسی قائد ابو مسلم نے مسلمانوں اور تبتیوں کا ایک اتحاد تشکیل دیا، جس میں متفرق ترک قبائل کو بھی شامل کیا، اس اتحاد کی قیادت زیاد بن صالح کے سپرد کی گئی۔ مخالف سمت میں فرغانہ کے ترک چینی سپہ سالار کی سرکردگی میں جمع تھے، نہر تالاس کی وادی (موجودہ کرغیزستان) میں ایک تاریخی معرکہ پیش آیا اور چار دن تک خوں ریز جنگ جاری رہی، مسلمان فوجوں نے چاروں طرف سے دشمن کو گھیرے میں لے لیا، چینی فوج کے کمانڈر جاوزیانزی نے شکست کھائی۔ دشمن کے پچاس ہزار فوجی مقتول اور بیس ہزار قید ہوئے۔

تاریخ میں اس جنگ کو سیاسی اور ثقافتی حیثیت سے بڑی اہمیت حاصل ہے: 1. یہ مسلمانوں اور چینیوں کی پہلی باقاعدہ لڑائی تھی۔ 2. اس جنگ کی وجہ سے یورپ کی سمت چینی حکومت کی پیش قدمی رک گئی۔ 3. وسط ایشیا میں چین کا سیاسی، عسکری اور ثقافتی توسع موقوف ہوگیا۔ 4. خود مسلمانوں نے جنگ تالاس کے بعد چین میں آگے قدم نہیں بڑھائے۔

جنگ تالاس کو ایک اور اعتبار سے اہمیت حاصل ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ چین کے ایسے قیدی آئے جو کاغذ بنانے کا فن جانتے تھے، ان کو سمرقند لایا گیا، جہاں کاغذ کی صنعت کا آغاز ہوا، مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی علمی پیاس نے کاغذ کی کھپت میں اضافہ کیا، اور سمرقند کاغذ سازی کی صنعت میں مشہور ہوگیا۔ منصور، ہارون اور مامون کی علمی سرپرستی کی وجہ سے کاغذ سازی کو فروغ ہوا اور 180ھ مطابق 797ء میں فضل بن یحییٰ نے سرکاری ضرورت کے تحت بغداد میں کاغذ کی صنعت لگوائی، اس کے بعد کاغذ کا استعمال عام ہوگیا، خود بغداد میں سوق الوراقین کے نام سے ایک بازار وجود میں آیا، بغداد میں دنیا کے تمام مراکز علم سے کتابیں آتیں، سوق الوراقین میں ان کے بیسیوں اور پچاسوں نسخے تیار کئے جاتے اور مشرق ومغرب میں پھیل جاتے۔ مشرق سے کاغذ سازی کی صنعت اندلس پہونچی اور وہاں سے یورپ کو منتقل ہوئی۔

اسلامی ممالک میں کاغذ کی آمد اور استعمال نے علم کے سفر کو تیز تر کردیا، اس کا مقابلہ سولہویں صدی میں چھاپہ خانہ کی ایجاد اور بیسویں صدی میں کمپیوٹر کی ایجاد سے کیا جاسکتا ہے۔ تالاس کی جنگ کے ذریعہ سمرقند میں کاغذ سازی کا آغاز شاید چھاپہ خانہ کی ایجاد سے پہلے علم کی ترقی میں سب سے اہم سنگ میل اور تاریخ انسانی کا ایک انقلابی نقطہ تھا۔ مسلمانوں نے چینیوں کی طرح اس صنعت کو محدود نہیں رکھا؛ بلکہ تمام دنیا میں اس کو عام کردیا۔

☆☆☆

اخلاص: قرآن، حدیث اور اقوال صوفیاء کی روشنی میں

صالح امین، پی ایچ ڈی

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جو بھی نیک کام کرے؛ خواہ عبادت وریاضت کرے یا اپنی روزانہ کی زندگی سے متعلق کوئی کام، وہ صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالی کے لئے کرے؛ یعنی اس سے اس کا مقصود محض اللہ عز وجل کی رضا وخوشنودی اور تقرب حاصل کرنا ہو، کوئی دنیاوی غرض حاصل کرنا بالکل نہ ہو۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ: اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو نیک کام بھی کیا جائے، اس کی محرک کوئی دنیاوی غرض نہ ہو اور نہ اس سے مقصود ریا ونمائش، جلب منفعت، طلب شہرت یا طلب معاوضہ وغیرہ ہو؛ بلکہ اللہ تعالی کے حکم کی بجا آوری اور خوشنودی ہو، اسی کا نام اخلاص ہے۔ (سیر النبی: 272/5)

قرآن کریم میں اس بابت بکثرت آیات ملتی ہیں؛ ذیل میں ان میں سے بعض کو پیش کیا جا رہا ہے:

﴿فاعبد اللہ مخلصا له الدين، ألا لله الدين الخالص﴾۔ (الزمر 3-2) (آپ [ﷺ] خالص اعتقاد کرکے اللہ ہی کی عبادت کرتے رہیے، یاد رکھو عبادت خالص اللہ ہی کے لئے ہے)۔

آیت بالکل واضح ہے کہ عبادت وبندگی محض اللہ ہی کی کی جائے اور عبادت وبندگی میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، خواہ وہ شریک خود انسانوں کا بنایا ہوا بت ہو یا کوئی دنیاوی غرض یا پھر خواہشاتِ نفس کی تسکین؛ چنانچہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کے سلسلہ میں سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿أرأيت من اتخذ الهه هواه﴾۔ (آپ [ﷺ] نے اس کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے)۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا: ﴿قل انی أمرت أن أعبد الله مخلِصا له الدين، وأمِرت لأن أكون أول المسلمين، قل انی أخاف ان عصيت ربی عذاب يوم عظيم، قل الله أعبد مخلصا له دينی، فاعبدوا ما شئتم من دونه﴾۔ (الزمر 15-11) (آپ [ﷺ] کہہ دیجئے کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے کروں؛ اور مجھے یہ بھی حکم ملا ہے کہ میں سب مسلمانوں میں اول ہوں، آپ [ﷺ] کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو [اپنے لئے] ایک عظیم الشان دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں، آپ [ﷺ] کہہ دیجئے میں اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنے دین کو اس کے لئے خالص رکھتا ہوں، سو اللہ کو چھوڑ کر تمہارا دل جس چیز کو چاہے عبادت کرو)۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا: ﴿وما أمروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء﴾۔ (انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اسی کے لئے خالص رکھیں یکسو ہو کر)۔

سورہ ہود میں فرمایا گیا: ﴿من كان يريد الحياة الدنيا وزينتها نوف اليهم أعمالهم فيها وهم فيها لا يبخسون، أولئک الذين ليس لهم فی الآخرة الا النار وحبط ما صنعوا فيها وباطل ما كانوا يعملون﴾۔ (ہود: 16-15) (جو کوئی دنیا ہی کی زندگی اور اس کی رونق کو مدنظر رکھتا ہے تو ہم ان لوگوں کو ان کے اعمال [کی جزا] اِسی [دنیا] میں پوری طرح دے دیتے ہیں اور ان کے لئے اس میں ذرا کمی نہیں ہوتی، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ بھی نہیں اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ سب آخرت میں ناکارہ اور بے اثر ہو جائے گا)۔

اخلاص کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے بھی احادیث بہت کثرت سے منقول ہیں، یہاں پر بعض احادیث پیش ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان الله لا ينظر الی صوركم وأموالكم، ولكن ينظر الی قلوبكم وأعمالكم“۔ (مسلم 2564) (بلاشبہ اللہ تعالی نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ ہی تمہارے اموال کی طرف، البتہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے)۔

حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الاعمال بالنية، ولكلِ امری ما نویٰ، فمن كانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله، ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها، اوِ امرأة يتزوجها، فهجرته الی ما هاجر اليه“۔ (بخاری: 1) (اعمال کا دار ومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو وہ نیت کرے؛ پس جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرے گا وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہجرت کرے گا، اور جو دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کی خاطر ہجرت کرے گا تو اس کی یہ ہجرت اسی کی طرف ہوگی)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”قال الله تبارک وتعالیٰ: انا اغنیٰ الشركاء عنِ الشرک، من عمل عملا اشرک فيه معی غيرِی، تركته وشركه“۔ (مسلم 2985) (ارشاد خداوندی ہے کہ میں شرک میں شرکاء سے بڑھ کر بے نیاز ہوں، میں اس عمل سے بری ہوں کہ جس میں میرا غیر بھی شریک ٹھہرایا گیا ہو)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”رب صائم ليس له من صيامه الا الجوع، ورب قائم ليس له من قيامه الا السهر“۔ (ابن ماجہ 1690) (کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں کہ انھیں روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں ملتا اور کتنے ہی راتوں کو قیام کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کے ہاتھ سوائے شب بیداری اور تھکاوٹ کے کچھ نہیں آتا)۔

صوفیاء کرام کے یہاں بھی اخلاص کے متعلق بکثرت اقوال ملتے ہیں جو الفاظ وتعبیرات کے اعتبار سے اگرچہ مختلف ہیں؛ لیکن مفہوم اور مصداق کے اعتبار سے متفق ہیں، ذیل میں چند اقوال نقل کئے جا رہے ہیں:

ذو النون مصری سے منقول ہے کہ تین چیزیں اخلاص کی نشانیاں ہیں:

(1) عوام کی مدح یا مذمت بندے کے نزدیک یکساں ہوں۔ (2) اعمال میں اپنے اعمال کو دیکھنا بھول جائے۔ (3) یہ بھی بھول جائے کہ وہ آخرت میں اپنے اعمال کا ثواب چاہتا ہے۔

ذو النون مصری ہی سے منقول ہے کہ اخلاص وہ عمل ہے جو انسان کو دشمن (یعنی نفس یا شیطان) سے بچائے؛ تاکہ وہ اسے خراب نہ کر دے۔

ابو عثمان سے مروی ہے کہ خالق کی طرف ہمیشہ نگاہ رکھنے کی وجہ سے مخلوق کی رویت کو بھلانے کا نام اخلاص ہے۔

حذیفہ مرعشی سے مروی ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ بندے کے ظاہری وباطنی اعمال میں یکسانیت ہو۔

فضیل سے منقول ہے کہ لوگوں کی خاطر عمل ترک کر دینا ریا ہے اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں باتوں سے محفوظ رکھے۔

جنید سے مروی ہے کہ اخلاص بندے اور رب کے درمیان ایک راز ہے، جسے نہ تو فرشتہ جان سکتا ہے کہ لکھ لے اور نہ شیطان کہ اسے خراب کر سکے اور نہ خواہش نفس کہ اسے اپنی طرف مائل کر سکے۔

رویم سے مروی ہے کہ اعمال میں اخلاص یہ ہے کہ عمل کرنے والا اپنے عمل کے عوض دنیا اور آخرت میں کوئی چیز نہ چاہے اور نہ ہی دونوں فرشتوں (دائیں اور بائیں والے فرشتے) سے کوئی حصہ مانگے۔

علامہ سید سلیمان ندوی سے منقول ہے کہ اخلاص جملہ اعمال کی جان، ایمان کی روح، عطر سلوک، مغز تصوف اور حاصل تقویٰ ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: اخلاص کے معنی ہیں محض رضائے الٰہی کی طلب، اس لئے ہر بات میں اور ہر حال میں رضائے مولیٰ پر نظر رہے۔

قرآنی آیات، احادیث رسول اللہ ﷺ اور صوفیا کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو بھی عمل کرے خالص اللہ کے لئے کرے، اس میں محض اللہ کی خوشنودی اور تقرب حاصل کرنا مقصود ہو؛ اگر کسی کے نزدیک اس کے علاوہ کوئی اور غرض وابستہ ہو تو وہ عمل اللہ کے نزدیک مقبول نہیں ہوگا بلکہ مردود ہوگا؛ چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ اعمال ہر طرح کے شوائب (گندگی) سے پاک ہوں؛ خواہ وہ تھوڑے ہوں یا بہت اور اس میں صرف تقرب الی اللہ کی نیت ہو، اس کے علاوہ اور کوئی باعث نہ ہو اور اس طرح کے اعمال کا تصور صرف ان لوگوں سے ممکن ہے جو اللہ تعالی سے محبت کرنے والے اور آخرت میں ڈوبے ہوئے ہیں؛ اور دنیا کی محبت کے لئے ان کے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے؛ یہاں تک کہ وہ کھانا پینا بھی پسند نہیں کرتے، وہ کھانے کی طرف محض اس لئے مائل ہوتے ہیں کہ کھانے سے جسم میں قوت اور توانائی آتی ہے اور اللہ تعالی کی عبادت واطاعت پر اسے قدرت ملتی ہے۔

ایسا شخص جس کے تمام افکار اور افعال کا محور اللہ تعالی کی ذات ہو جب کوئی عمل کرتا ہے خواہ وہ کھانا پینا ہو یا قضائے حاجت کرنا تو اس کا عمل خالص ہوتا ہے اور اس کی تمام حرکات وسکنات میں نیت صحیح ہوتی ہے؛ چنانچہ یہ شخص عبادت پر تقویت حاصل کرنے اور جسم کو آئندہ کی اطاعت کے لئے راحت دینے کی خاطر سوتا ہے تو اس کا سونا بھی عبادت ہے، اور جس شخص کا حال یہ نہیں ہوتا اعمال میں اخلاص کا دروازہ اس کے لئے بند کر دیا جاتا ہے، پھر جس شخص پر اللہ تعالی کی اور آخرت کی محبت غالب ہوتی ہے اس کی تمام حرکات وسکنات بھی اسی کے غلبے کے اثر سے اخلاص بن جاتی ہے اور اس کا ہر عمل خلوص کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے، دوسری طرف وہ شخص ہے جس پر دنیا کی اور اقتدار حکومت کی محبت غالب ہے اور مجموعی حیثیت سے وہ غیر اللہ کی رغبت رکھتا ہے اس کی تمام حرکات وسکنات پر یہی صفت غالب آ جاتی ہے اور اس کی کوئی عبادت روزہ، نماز اور صدقہ بچ نہیں پاتی۔

صوفیائے کرام نے اخلاص کا اس قدر اہتمام والتزام کیا ہے کہ شہرت وناموری، دکھاوا، جاہ ومنصب کی طلب، ذوق ومزہ کا حصول یا اللہ کے تقرب کے سوا کوئی اور غرض ومقصد اپنے پیش نظر رکھنا تو دور اپنے اعمال سے ثواب اور جنت میں مراتب عالیہ وغیرہ کی خواہش رکھنے کو بھی اخلاص کے منافی قرار دیا ہے؛ چنانچہ حضرت شیخ عطاء اللہ اسکندری نے اپنی کتاب اکمال الشیم میں لکھا ہے کہ: بندہ کا مقصود بندگی سے اگر یہ ہو کہ مجھ کو ثواب ملے اور جنت حاصل ہو اور دوزخ کے عذاب سے نجات ہو تو اس کو اس کا مطلوب انشاء اللہ حاصل ہوگا؛ لیکن اس بندہ نے عبادت سے اپنے نفس کا مزہ وراحت ہی کو چاہا اور نفس ہی میں مبتلا رہا، حق تعالی کے کمال کی صفت اور جلال وعظمت کی شان کا حق ادا نہ کیا۔ کمال تو یہ ہے کہ بندہ کی عبادت مولی تعالی شانہ کی عظمت اور کمال کی وجہ سے ہو، جنت کی طمع اور دوزخ کے خوف ہی سے نہ ہو، اس لئے کہ غلام کی شان تو غلامی کرنا ہے خواہ مالک اس کو نوازے یا دھتکارے۔ آگے مزید لکھتے ہیں: بندہ کی نیت اگر عبادت اور عمل نیک سے یہ ہو کہ مجھ کو خدا تعالی کی طرف سے اس کا کوئی عوض ملے تو حق تعالی اس سے اِس کا مطالبہ فرما دیں گے کہ ثواب کے قابل تو وہ عمل ہے جو اخلاص سے ہو اور جب تیری نیت اس عمل سے یہ تھی کہ اس پر کچھ عوض ملے تو تو نے یہ عمل خالص میرے واسطے نہیں کیا؛ بلکہ اپنے نفس کے واسطے کیا ہے تو بندہ کو اخلاص کے ہونے میں تردد اور شک ہوگا، اس لئے کہ اگر اخلاص یقیناً ہوتا تو اس عمل میں عوض کا خواہاں نہ ہوتا اور ایسے شخص کو یہی کافی ہے کہ اس عمل پر خدا تعالی کی طرف سے مواخذہ نہ ہو، ثواب کی امید تو علیحدہ رہی۔

حاصل یہ کہ انسان کو اپنی عبادت وطاعت اور روزمرہ کی زندگی میں صرف اللہ کے تقرب اور رضا کو اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے اور مخلوق کی خوشنودی، رضامندی یا اپنی کسی نفسانی یا مالی وجاہی خواہش کو مقصود نہ بننے دینا چاہئے۔

☆☆☆

امیر شکیب ارسلان: حیات وخدمات

حسیب الرحمٰن، ایم اے، سال دوم

عہد حاضر کی اسلامی واصلاحی فکر پر جن شخصیات کی تحریروں کے اثرات لازوال رہے ہیں امیر شکیب ارسلان ان میں سے ایک ہیں۔ ان کا خاندانی تعلق شاہان حیرہ سے تھا اور حکمرانی وجہاں بانی ان کو ورثے میں ملی تھی؛ البتہ امیر شکیب ارسلان نے جہاں بانی کو چھوڑ کر اور شمشیر وسنان کو ترک کرکے لوح وقلم کو اپنا ہتھیار بنایا اور اس حوالے سے ایسی شہرت وناموری حاصل کی کہ شاید ہی ان کے خاندان میں کسی اور کو حاصل ہوئی ہوگی۔ انہوں نے اپنے زمانے کی اسلامی فکر کو ہی متاثر نہیں کیا؛ بلکہ اصلاح ودعوت کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے، تاریخ کے گہرے مطالعہ نے ان پر یہ واضح کر دیا تھا کہ ان کے دور کی مسلم دنیا کو سب سے بڑا خطرہ مغربی استعمار سے تھا؛ چنانچہ انہوں نے مغربی استعمار سے لوہا لیا، اسکے خلاف نبرد آزما ہوئے اور اس کے عزائم کو طشت ازبام کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، امیر شکیب ارسلان صحیح معنوں میں سید جمال الدین افغانی کی ادبی روایت کے امین تھے اور اس میں انہوں نے ایسا کمال حاصل کیا کہ امیر البیان کے لقب سے ملقب ہوئے۔

ابتدائی زندگی: امیر شکیب ارسلان لبنان کے ایک سرسبز وشاداب قصبہ ”مشویفات“ میں 25 دسمبر 1869 کو پیدا ہوئے۔ ارسلان ان کا خاندانی نام ہے، والد کا نام حمود اور دادا حسن بن یونس ارسلان تھے۔ خاندانی روایت کے مطابق گھر پر ہی قرآن مجید پڑھا اور ابتدائی عربی زبان اور اسلامیات کی تعلیم پائی۔ ابتدائی تعلیم کے تکمیل کے بعد انہیں بیروت کی ایک درسگاہ دار الحکمۃ میں اعلی تعلیم کے حصول کے لئے داخل کیا گیا۔ بیروت میں امیر شکیب ارسلان کی طالب علمی کے زمانے میں ہی مصر کے مشہور زمانہ عالم شیخ محمد عبدہ بیروت میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے اور شیخ محمد عبدہ کی امیر شکیب ارسلان کے والد کے یہاں آمد ورفت رہا کرتی تھی؛ چنانچہ انہیں بھی ان کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملا، شکیب ارسلان نے شیخ محمد عبدہ کی خدمت میں رہ کر ”مجلۃ الاحکام العدلیہ“ کا خاص طور پر درس لیا۔ شیخ محمد عبدہ کی صحبت میں رہتے ہوئے نہ صرف یہ کہ وہ ان کی دعوت واصلاح سے متاثر ہوئے بلکہ یہیں پر پہلی بار انھیں سید جمال الدین افغانی کے افکار ونظریات اور ان کی دعوت اتحاد اسلامی کو جاننے کا موقع بھی ملا۔ بعد میں جب شیخ محمد عبدہ کو بیروت کی جلاوطنی سے مصر واپس لوٹنے کی اجازت ملی اور وہ قاہرہ لوٹے تو امیر البیان بھی 1890 میں شیخ محمد عبدہ کے پاس قاہرہ پہنچ گئے۔ یہاں پر شیخ محمد عبدہ کے توسط سے ان کی ملاقات اس وقت کے قاہرہ کے اکابرین ڈاکٹر یعقوب معروف، سعد زغلول، شیخ علی یوسف، سید رشید رضا اور محبّ الدین الخطیب وغیرہ سے ہوئی۔ قاہرہ میں قیام کے دوران ان لوگوں سے جو رشتہ اخوت ومحبت قائم کیا وہ تا عمر باقی رہا؛ چنانچہ مصر میں قیام کے دوران ہی انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ استنبول جائیں گے، جہاں ان دنوں سید جمال الدین افغانی کا قیام تھا۔ مصر کے بعد امیر شکیب ارسلان استنبول پہنچے اور وہاں جمال الدین افغانی سے ملاقات کی اور ان کی خداداد ذہانت وفطانت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

عملی زندگی: امیر شکیب ارسلان کا تعلق جس خانوادے سے تھا، اس میں انہیں کسی ملازمت یا عہدے کی ضرورت نہیں تھی، اس کے باوجود استنبول سے وطن واپسی کے بعد کچھ دنوں کے لئے سرکاری ملازمت کی اور ایک اعلی منصب پر فائز ہو رہے، لیکن جلد ہی سرکاری ملازمت سے اکتا کر انھوں نے یہ ملازمت چھوڑ دی۔ اسی دوران انھوں نے فرانس کا سفر کیا اور وہاں ان کی ملاقات معروف شاعر احمد شوقی سے ہوئی، جو ان دنوں وہاں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ احمد شوقی سے ان کی ملاقات بہت ہی دلچسپ رہی اور وہ ان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

سنوسی تحریک شمالی افریقہ کی ایک بڑی اور اہم تحریک تھی۔ اسکی خانقاہوں میں داعی اسلام اور مصلحین کے علاوہ مجاہدین بھی تیار ہو رہے تھے۔ اس تحریک کے سربراہ شیخ محمد بن علی سنوسی اور شیخ احمد سنوسی اطالوی سامراج سے جنگ کر رہے تھے، جب جنگ وسیع اور ہمہ جہت ہوگئی تو امیر شکیب ارسلان نے انجمن ہلال احمر کی طرف سے ایک رضا کار کے طور پر اس جنگ میں شرکت کی؛ تاکہ وہ اس تحریک کو قریب سے دیکھیں اور جہاد میں بھی شرکت کریں۔ یہیں ان کی ملاقات انور پاشا سے ہوئی۔ انور پاشا کے دوش بدوش اس جنگ میں شرکت کی، انور پاشا ان کی اصابت فکر اور حسن مشورہ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ اس جنگ کے بعد امیر شکیب ارسلان نے نہ صرف سنوسی تحریک اور اس کی قیادت سے عام مسلمانوں کو واقف کرایا بلکہ انہیں اس کے تعاون اور ہمنوائی کے لئے بھی آمادہ کیا؛ چنانچہ 1912 میں جب جنگ بلقان ہوئی تو اس میں شکیب ارسلان نے مختلف وفود کی سربراہی کی۔

امیر شکیب ارسلان 20 صدی میں ایک ایسا عرب دانشور تھے جس کو ترکوں سے محبت تھی اور خلافت عثمانیہ کو مسلمانوں کی عظمت کی نشانی سمجھتے تھے اور عالم اسلام کی اہم ترین ضرورت اتحاد کے داعی تھے کہ اگر یہ ٹوٹ گیا تو عالم اسلام کی عظمت وشوکت خاک میں مل جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ 1914 میں جب پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا جس میں ترکی جرمنی کا حلیف تھا تو اس وقت بھی انہوں نے ترکوں کا ساتھ نہیں چھوڑا حالانکہ اس وقت بیشتر عرب رہنما آزادی کا مطالبہ کر رہے تھے اور انجمن اتحاد وترقی کے ارکان انہیں صرف وعدوں پر ٹال رہے تھے۔ شاید اس وجہ سے امیر شکیب ارسلان کے مخالفوں نے ان پر ترکوں کی بے جا حمایت کا الزام بھی عائد کیا؛ لیکن امیر البیان کو یہ معلوم تھا کہ سامراجی طاقتیں عثمانی خلافت کو ختم کرکے عالم اسلام کے شیرازے کو منتشر کرنا چاہتی ہیں اور عربوں سے حریت کے جو وعدے کر رہی ہیں وہ کبھی پورا ہونے والے نہیں ہیں۔ چنانچہ عالم اسلام کی پہلی جنگ میں ترکوں کی شکست کے بعد فرانس اور برطانیہ کی سامراجی طاقتوں نے آزادی کے بجائے عرب علاقوں کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ اس وقت عرب حریت پسندوں پر امیر شکیب ارسلان کی دور اندیشی اور رائے کی صداقت ظاہر ہوئی؛ لیکن اس وقت تک کافی دیر ہو چکی تھی اور عرب کی سرزمین سامراجی طاقتوں کے قبضہ میں جا چکے تھے۔ اس دوران امیر البیان بچی کھچی ترکی میں اسلام کی عظمت برقرار رکھنے لئے ماسکو اور برلن کے چکر لگاتے رہے؛ لیکن 1924 میں کمال اتاترک کے ذریعہ خلافت، لادینی اور ترکی زبان کے رسم الخط جیسی تبدیلیوں سے مایوس ہوگئے۔ وہ برلن چھوڑ کر جینوا منتقل ہوگئے اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے۔ 1927 میں عرب مہاجرین کی دعوت پر امریکہ تشریف لے گئے اور 1929 میں حرمین کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور 1930 میں فرانسیسی زبان میں ایک رسالہ جاری کیا۔ اس میں ایک طرف اسلام اور مسلمانوں کا دفاع تھا تو دوسری طرف محکوم مسلمانوں کی آزادی کی حمایت۔ اسی دوران امیر البیان نے اسپین کی سیاحت کی۔ وہاں سے واپسی کے بعد اس کے آثار پر ”الحلل السندسیہ“ تین جلدوں میں معرکۃ الآرا کتاب تصنیف کی۔ 1934 میں سلطان ابن سعود (سعودی عرب) اور امام یحی (یمن) کے باہمی تنازعات اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ جنگ کی صورتحال پیدا ہوگئی تھی، ان اختلافات کو دور کرنے کے لئے عالم اسلام کے بڑے رہنماؤں کا وفد حجاز گیا جس کے ایک رکن امیر البیان بھی تھے اور وفد کی کوششیں کامیاب رہیں اور جنگ بندی ہوگئی۔ اکتوبر 1946 میں 25 سال کی جلاوطنی کے بعد وطن واپس ہوئے، آپ کی عمر بھی کافی ہو چکی تھی، وطن واپس لوٹے ہوئے انھیں دو ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ خفقان قلب کے عارضے میں 9 دسمبر 1946 میں بیروت میں انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علم وفضل: امیر شکیب ارسلان ایک ممتاز دانشور، مفکر، سیاسی رہنما اور مجاہد آزادی کے ساتھ ساتھ فصیح اللسان انشاء پرداز بھی تھے۔ عربی زبان کے علاوہ ترکی زبان پر بھی عبور حاصل تھا، فرانسیسی وجرمنی زبان بولنے اور لکھنے میں ماہر تھے۔ امیر الشعراء احمد شوقی نے قیصر ولیم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تو امیر البیان نے قیصر ولیم کے سامنے اس کا ترجمہ جرمن زبان میں پیش کیا۔ ایک اندازے کے مطابق تقریبا دو ہزار خطوط اور اخبارات ورسائل کے لئے دو ڈھائی سو مضامین ہر سال لکھتے تھے۔

اسلوب بیان: امیر شکیب ارسلان کا اسلوب بیان موثر، دل آویز اور پرزور ہونے کے ساتھ ساتھ متین اور سنجیدہ تھا۔ اپنی ابتدائی زندگی میں وہ رسائل الصابی اور نہج البلاغہ کے طرز بیان سے گرویدہ تھے؛ لیکن جب ان کی ملاقات شیخ محمد عبدہ سے ہوئی تو شیخ محمد عبدہ نے انہیں مقدمہ ابن خلدون کے مطالعے کی ترغیب دی اور یہ کہا کہ انہیں ابن خلدون کے اسلوب کی پیروی کرنی چاہیے۔ خود امیر البیان اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن خلدون کا بہت ہی غور سے مطالعہ کیا اور ان کے طرز انشاء کا بھی اثر قبول کیا ہے، اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ مشہور مصری ادیب سید رشید رضا نے المنار میں ان کے اسلوب کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ ابن خلدون کے مشابہ ہے؛ البتہ ابن خلدون اور شکیب ارسلان کی تحریروں میں یہ فرق نمایاں ہے کہ ابن خلدون الفاظ کا استعمال بہت محتاط انداز میں کرتے ہیں جبکہ امیر البیان تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ لکھنے کے عادی ہیں، اکثر وہ نثر میں شاعری کرنے لگتے ہیں، خاص طور سے اس وقت جب وہ اپنے کسی پسندیدہ اور محبوب موضوع پر لکھ رہے ہوں تو پھر ان کا قلم بے اختیار ہو جاتا ہے؛ البتہ شکیب ارسلان جب سیاسی موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں تو پھر ان کی توجہ اپنے مخاطب پر زیادہ ہوتی ہے اور ان کی تحریر سادہ بیانی کی مثال بن جاتی ہے۔ ان کا سفرنامہ حج ”الارتسامات اللطاف“ بھی آسان اور سلیس زبان کی بہترین مثال ہے۔ ایک مرتبہ مصر میں ان کے اعزاز میں ایک سمینار بلایا گیا، اس موقع پر ایک صاحب نے کہا تھا: تاریخ اسلام میں دو شخص اس بات کے لائق ہیں کہ ان کو امیر سخن کہا جائے ایک علی بن ابی طالب، دوسرے شکیب ارسلان۔

بعض اہم تصانیف: حاضر العالم الاسلامی، لماذا تاخر المسلمون ولماذا اتقدم غیرھم، حلل السندسی فی الاخبار والآثار الاندلسی، شوقی وصداق اربعین سن، السید رشید رضا واخا اربعین سن، تاریخ غزوات العرب فی فرنسا، الارتسامات اللطاف، دیوان الامیر شکیب ارسلان۔

خلاصہ: شکیب ارسلان بڑے شاعر، ادیب، مصلح اور دور اندیش تھے، آپ نے تلوار اور نیزے کے بجائے لوح وقلم کو ہتھیار بنایا تھا، آپ نے فارسی، ترکی، جرمنی، عربی، فرانسی زبانیں سیکھیں اور مہارت حاصل کی۔ آپ کے شیوخ میں شیخ عبداللہ بستانی، محمد عبدہ، رشید رضا، جمال الدین افغانی وغیرہ ہیں۔ وحدتِ اسلامیہ اور الدول العربیہ آپ کے افکار تھے۔ آپ نے بہت سارے کام کئے، عثمانیوں کا ساتھ دیا، باطل سے روگردانی کی، تصانیف کا کیا کہنا آپ کی ذات خود انسائیکلو پیڈیا تھی، اسوجہ سے پوری عرب دنیا نے آپ کو امیر البیان کے لقب سے ملقب کیا جو آپ کے نام کا جز بن گیا۔

☆☆☆

> ”تم نے غفلت کو آزما لیا، تم نے نافرمانیوں کی صدیوں تک کڑواہٹ چکھ لی، تم نے گناہ اور معصیت کے پھل سے اچھی طرح اپنے دامن بھر لئے، تم نے دیکھ لیا کہ ایک خدا کی چوکھٹ سے تم نے سرکشی کی اور ساری دنیا تم سے سرکش ہوگئی اور ایک اسی کے روٹھنے سے کس طرح تمام دنیا تم سے روٹھ گئی۔ پس مان جاؤ اور باز بھی آ جاؤ۔ گناہوں کو آزما چکے آؤ تقوی اور راست بازی کو بھی آزما لیں، سرکشیوں کو چکھ چکے، آؤ اطاعت کا بھی مزہ دیکھ لیں، غیروں سے رشتہ جوڑ کے تجربہ کر چکے آؤ اسی ایک سے پھر کیوں نہ جڑ جائیں جس سے کٹ کر ذلتوں اور خواریوں، ٹھوکروں اور راندگیوں کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔ تمارے سفر عمل کا پہلا قدم یہ ہے کہ توبہ کرو، توبہ کرو اور اس طرح روؤ اور اس قدر تڑپو کہ اسے تم سے پیار آ جائے“۔
>
> (امام الهند مولانا ابو الکلام آزاد)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نظریہ ارتفاقات

ابو الکلام، ایم اے، سال دوم

معاشرے کی تدریجی تشکیل کے سلسلہ میں شاہ صاحب کے نظریات کو ''الارتفاقات'' Socio - Economic (Theory-al-Irtifaqat) کہا جاتا ہے۔ارتفاق سے شاہ صاحب کی مراد افراد کا ایک دوسرے سے جائز انتفاع، تعاون، اشتراک عمل اور معتدل ومتوازن شہری زندگی کے قیام کے لئے ''تدبیرات نافعہ'' ہیں؛ یعنی زندگی میں بہتری اور آسائش اختیار کرنے کے مختلف طریقے اور ذرائع کا استعمال کیسے ہو؟ اسی اصطلاح کوانہوں نے اپنی سوشیو اکنامک تھیوری میں ایک مخصوص Sense میں استعمال کیا ہے جس میں وہ ارتفاقات کے چار مراحل (Sense) کا ذکر کرتے ہیں۔ذیل میں ان پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جارہی ہے:

ارتفاق اول (First Stage of Socio Economic):

پہلا مرحلہ حیوانی طرز زندگی یعنی Animal living کا ہے، جس کو شاہ صاحب ''الارتفاق البہیمی'' کا نام دیتے ہیں، شاہ صاحب کے نظریہ ارتفاقات کے مطابق اس مرحلہ میں کم از کم گیارہ عناصر ضرور پائی جانی چاہئے:

1. زبان یعنی بولی: ابتدائی سماجی زندگی کی نمایاں ترین کامیابی زبان کی تشکیل ہے۔شاہ صاحب کے مطابق اس مرحلہ میں انسانوں نے اپنی فکر کو الفاظ کا پیرایہ دینا شروع کیا؛ کیونکہ انسان حیوان ناطق ہے، جو الفاظ کی مدد سے اپنا مافی ضمیر ادا کرتا ہے اور دوسروں تک اپنی بات پہنچاتا ہے، اس لئے کوئی انسانی معاشرہ بے زبان نہیں ہوسکتا۔2. ظروف سازی اور چمڑے کی مشکیں بنانے کے طریقوں سے واقفیت۔3. دیہی تمدن میں بھی لوگ کھیتی باڑی، باغبانی، کوئیں کھودنے اور کھانا پکانے کے طریقے جاننا۔4. چوپایوں کو سدھانے اور پالنے کا بھی دیہی تمدن میں رواج ہوتا ہے؛ تاکہ ان پر سواری کریں؛ لہٰذا اس فن سے بھی آشنائی ہونی چاہئے۔5. مکان بنانے کے طریقوں کو بھی جاننا؛ تاکہ گرمی سردی میں ان میں ٹھکانہ حاصل کریں۔6. لباس جس سے انسان اپنی ستر پوشی اور زینت اختیار کرتا ہے، اس سے بھی لوگ واقفیت ہو، خواہ وہ لباس چوپایوں کی کھال کے ہوں یا درختوں کے پتے اور چھال کے یا انسانی مصنوعات کے۔7. اس سماجی ومعاشی مرحلہ میں انسان کو ایک Decleared بیوی/شوہر کی بھی ضرورت ہوتی ہے، نہ صرف اس کی جنسی ضروریات کی تکمیل کے لئے بلکہ ہر طرح کے سکھ دکھ میں ساتھ دینے والے/والی رفیقہ حیات کے طور پر بھی۔(یہیں سے اولاد ہونے کی صورت میں ایک سماجی یونٹ کا آغاز ہوتا ہے)۔8. اس مرحلہ میں لوگ وہ کاریگریاں جانتے ہیں جن کے بغیر کھیتی باڑی، کنواں کھدائی وغیرہ کی تسخیر نہیں ہوسکتی، جیسے پھاوڑا، کدال، ڈول، رسی، ہل کا پھار وغیرہ بنانا وہ جانتے ہوں۔9. تبادلہ اشیاء کے طریقے اور بعض اہم کاموں میں تعاون باہمی کی شکلیں بھی ان میں رائج ہوتی ہیں۔10. ان میں قبائلی حکومت بھی ہوتی ہے۔11. ان میں ایسے مسلمہ قوانین بھی ہوتے ہیں جن سے باہمی نزاعات میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔

ارتفاق دوم (Second Stage of Socio Economic Development):

یہاں سے ارتفاق ثانی یعنی شہری تمدن کا بیان شروع ہوتا ہے، اور اس کے لئے تین ابواب ہیں، 1. فن آداب معاش 2. خانگی انتظام 3. کمائی کے آداب۔

اس فن میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ شہری تمدن کوئی مستقل تمدن نہیں؛ بلکہ دیہی تمدن کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ جب انسان کھانے پینے اور رہنے سہنے جیسے بنیادی مسائل حل کرلیتا ہے تو وہی ترقی پاکر شہری تمدن میں تبدیل ہوجاتا ہے، اور آگے بڑھتے ہوئے اس کے رویوں اور اس کے اخلاقی قدروں میں پیچیدگی آنا شروع ہوجاتی ہے، مناسب اداروں اور قوانین کی تشکیل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔شاہ صاحب نے اس ڈیولپمنٹ کو پانچ شعبوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر شعبہ کو ''حکمۃ'' یعنی Wisdom کا نام دیا ہے، ذیل میں ان پانچوں کو ذکر کیا جاتا ہے:

1-الحکمۃ المعاشیۃ: اس فن کے بڑے مسائل یہ ہیں: حکمت معاش جس میں کھانے پینے کے آداب اور ضابطے، چلنے کے طریقے، بیٹھنے اور سونے کے آداب، رہنے سہنے کے آداب، پہننے کے طور طریقے، باہمی گفتگو کا سلیقہ، نظافت اور پاکیزگی کے طریقوں کا ظہور ہوتا ہے۔2-الحکمۃ المنزلیۃ: بنیادی خانگی زندگی کا شعبہ ہے (یعنی جو ترقی یافتہ تمدن میں خاندانی تعلقات کی نگہداشت سے بحث کرتا ہے)، جس میں شادی، بچوں کی تعلیم وتربیت، رشتوں کا وجود اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا حقوق وفرائض کا شعور، مل جل کر رہنے کے آداب اور انتظامات کا ظہور ہوتا ہے۔3-الحکمۃ الاکتسابیۃ: روزی روٹی کمانے کا شعبہ، اس حکمت کے تحت مختلف پیشوں کا ظہور ہوتا ہے، صلاحیتوں یعنی Skills اور معلومات کا تجارتی استعمال ہوتا ہے۔ 4-الحکمۃ التعاملیۃ: اس شعبہ میں ترقی یافتہ تمدن میں تبادلہ اشیاء اور ذرائع معاش کو وجود میں لانے کے طریقے سے بحث کی جاتی ہے، جیسے خرید وفروخت، کرایہ، گروی یعنی Mortage کے تصورات، ادھار اور قرض وغیرہ کی لین دین اور وقف وغیرہ کے معاملات سے بحث کی جاتی ہے۔5-الحکمۃ التعاونیۃ: معاشی تعاون اور اعتبار کے پہلو اس شعبہ میں پروان چڑھتے ہیں، اس لئے کہ شہر کی درستگی کے لئے شہریوں میں الفت ومودت ضروری ہے، جیسے شراکت داری یعنی Partnership، کاروباری اکائی کا قیام یعنی Commercial Enterprise، مختارناموں کے ذریعہ کام کرنا یعنی Power of Attorny اور Leasing وغیرہ۔

محنت کی تقسیم (Division of Labour):

اوپر مذکورہ شعبہ جات میں پہلے دو کا تعلق سوشیولوجی سے ہے اور باقی تین کا تعلق معاشیات سے۔اب اس مرحلہ سے متعلق محنت کی تقسیم کے بارے میں شاہ ولی اللہ اس طرح وضاحت کرتے ہیں کہ ایک اکیلا انسان تمام کام خود نہیں کرسکتا، اگر وہ ایسا کرنے کی کوشش کرے گا تو ارتفاقات کے پہلے مرحلہ سے آگے نہیں جاپائے گا، آگے بڑھنے کے لئے کام یا محنت کی تقسیم ضروری ہے۔شاہ صاحب مثال دیتے ہیں کہ جیسے کاشت کاری کے شعبہ میں ایک بندہ جانوروں کو سدھائے گا، ایک لوہار ہل بنائے گا تو ایک بڑھئی اس ہل کو لکڑی کے شہتیر پر فکس کرے گا، اور یوں Division of Labour سے خوراک کی سپلائی کا ایک نظام وجود میں آئے گا۔

محنت کی تقسیم کے ضمن میں شاہ صاحب نے اس کے مزید اقسام بیان کئے ہیں، وہ یہ ہیں:

موقع کی لاگت (Opportunity Cost):

موقع لاگت کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ اگر افراد کی ایک کثیر تعداد غیر ضروری مصنوعات یعنی Luxaries ہی کی پیداوار میں مصروف ہوجائے تو سوسائٹی کے دوسرے ضروری شعبے نظر انداز ہوجائیں گے، جیسے زراعت وتجارت، ان کی یہ بات کم وبیش وہی ہے جو آج کل Project Management اور سرمایہ کاری یعنی Financing میں Project Selection اور وسائل کے مناسب استعمال یعنی Allocation Scare Resources کی مدد میں سکھائی جاتی ہے۔

استعمال زر (Use of Money):

تقسیم محنت کے بعد Medium of Exchange یعنی کرنسی کا تصور یہاں ابھرتا ہے؛ کیونکہ تقسیم ہوئی تو محنتوں کو آپس میں کسی ذریعہ سے تبادلہ کی ضرورت پڑے گی، اور اس تبادلہ کی کمیت کا اندازہ اس کرنسی سے ہوگا۔شاہ صاحب کہتے ہیں کرنسی کی جنس ایسی ہوجو پائدار بھی ہو اور باہمی تبادلہ Transaction میں عوام میں مقبول بھی ہو، ان کے نزدیک چاندی بطور کرنسی سب سے زیادہ قابل عمل ہے، چونکہ اسے درتقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ربا (Interest):

اس کے بعد انہوں نے سود سے بحث کی ہے، قرض پر اصل رقم سے زائد لئے جانے کو حقیقی ربا کہتے ہیں اور اس کو شریعت کی رو سے بھی اور معاشی لحاظ سے بھی ممنوع قرار دیتے ہیں، ان کی رائے میں سود سے ہونے والا نقصان معیشت کی جڑوں تک پہنچتا ہے، اگر سود کا چلن ہوگا تو لوگ پیداواری اور منفعت بخش کام کرنے کے بجائے بیٹھے بٹھائے پیسے سے پیسہ بنانے کو ترجیح دیں گے، اور آخرکار صنعت وزراعت کی بنیادی پیداواری اہمیت دم توڑ دے گی۔(جاری)

☆☆☆

شعبہ اسلامک اسٹڈیز کی علمی وثقافتی سرگرمیاں-ایک نظر میں

صلاح الدین، ایم اے، سال دوم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز کا قیام 2012 میں عمل میں آیا۔ خدا کے فضل وکرم، یونیورسٹی انتظامیہ کی دلچسپی اور صدر شعبہ واساتذہ کی خصوصی توجہات سے شعبہ نے بہت قلیل مدت میں تعلیمی، تحقیقی اور ثقافتی لحاظ سے اپنا ایک معیار قائم کرلیا ہے۔ علم وتحقیق کا یہ سفر اپنی تمام تر سرگرمیوں کے ساتھ ہر دم رواں پیہم دواں ہے۔ سال رواں 2016 کے ماہ نومبر کے اواخر اور دسمبر کے اوائل کے درمیان شعبہ میں منعقدہ مختلف اور متنوع پروگراموں اور اس سے متعلق خبروں کی چند جھلکیاں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں، اس دورانیہ سے پہلے کی خبریں گزشتہ شماروں کی زینت بن چکی ہیں۔

عزت مآب شیخ الجامعہ کا خطاب

22 نومبر کو سی پی ڈی یو ایم ٹی کے وسیع ہال میں قرآن فہمی کے عنوان سے طلبہ شعبہ سے شیخ الجامعہ نے پر مغز، محققانہ اور رہنمایانہ خطاب فرمایا۔ یہ خطاب اصلاًیو جی کے تمام طلبہ وطالبات کے لئے بطور کلاس لکچر کے تھا۔ اس میں مختلف شعبوں کے طلبہ کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ یہ خطاب بہت ہی مفید اور ثمر آور ثابت ہوا اور ضرورت محسوس کی گئی کہ ایسے خطابات بار بار منعقد کئے جائیں۔ خطاب کے آخر میں محترم شیخ الجامعہ نے سوالات کے جوابات بھی دیئے۔

''اسلامی مطالعات فورم'' کی متنوع سرگرمیاں

24 نومبر کو اسلامی مطالعات فورم کے زیر اہتمام ''ٹرانس ہیومنزم'' (Transhumanism) کے عنوان سے صدر شعبہ ڈاکٹر محمد فہیم اختر کا تحقیقی اور معلوماتی خطاب ہوا۔ اس خطاب میں صدر شعبہ نے اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ کو عالمی سطح پر ہونے والی سائنسی تحقیقات اور تجربات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح چند دہائیوں قبل کلوننگ کے ذریعہ جانوروں کی کاپی تیار کرنے کی کوشش کی گئی تھی، جس میں کامیابی بھی ملی؛ بالکل اسی طرز پر انسانوں کی بھی کاپی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر انسانی اور حیوانی صفات اور صلاحیتوں کا حامل اور ٹکنالوجی سے ہم آہنگ ایک نئی تخلیق کا خواب دیکھا جارہا ہے، جو ایک عام انسان میں موجود فطری کمزوریوں سے خالی اور غیر معمولی توانائی سے لیس ہو۔ صدر شعبہ نے دوران خطاب اس کے اخلاقی، سماجی اور تہذیبی وثقافتی اثرات اور مثبت ومنفی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے جدید تحقیقات اور تجرباتی سائنس کے ضمن میں ہونے والی عالمی سرگرمیوں سے واقفیت کی طرف بھی طلبہ کی توجہ مبذول کرائی۔ خطاب کے اخیر میں سوال وجواب کا بھی سلسلہ رہا۔ پروگرام میں طلبہ واسکالرس کے علاوہ اساتذہ بھی موجود تھے۔

8 دسمبر کو اسلامی مطالعات فورم کے تحت بعنوان ''دور طالب علمی میں تعلم کے یادگار طریقے'' ایک دلچسپ پروگرام منعقد ہوا۔ یہ پروگرام شعبہ کے اساتذہ کے درمیان تبادلہ خیال پر مشتمل تھا، اس پروگرام کے ذریعہ اساتذہ نے اپنے دور طالب علمی کے اوراق پلٹ کر اپنے اساتذہ کو یاد کرتے ہوئے انہیں خراج عقیدت پیش کیا اور ان کے طریقہ تدریس کو اپنی اپنے لیے مشعل راہ بنانے کا عزم کیا۔

طلبہ کی دیگر سرگرمیاں

24 نومبر کو جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ''یک روزہ مشیر الحق نیشنل سیمینار'' منعقد ہوا، جس میں شعبہ سے تین اسکالرس نے شرکت کی اور اپنے مقالات پیش کئے جن میں سے سید عبدالرشید (پی ایچ ڈی) نے ''بیت الحکمت، بغداد کی علمی خدمات''، صالح امین (پی ایچ ڈی) نے ''ہندوستان میں فتاویٰ کے بعض اہم مراکز'' اور محمد عامر (ایم فل) نے ''سرسید اور علمائے دیوبند: حقائق اور غلط فہمیاں'' کے عناوین کے تحت اپنے مقالات پیش کئے۔

1 دسمبر کو اسلامی مطالعات کا تیسرا دیواری پرچہ پروفیسر ایس ایم رحمت اللہ ڈین اسکول برائے فنون وسماجی علوم کے ہاتھوں اپنی تمام تر ظاہری دلکشی ودیدہ زیبی کے ساتھ ساتھ علمی، تحقیقی اور ثقافتی خوبیوں سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آیا۔ رسم اجرا کی تقریب کے بعد شعبہ کے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طلبہ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کی جانب سے منعقدہ یک روزہ مشیر الحق قومی سمینار میں اپنی شرکت کی دلچسپ روداد تحقیقی مقالات اور پاور پوائنٹس کی شکل میں پیش کی۔

شعبہ میں مہمانوں کی آمد

19 دسمبر کو تین مؤقر مہمان ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی (علی گڑھ)، مولانا لقمان ندوی (ممبئی) اور مولانا مشہود السلام ندوی (لکھنؤ) نے اپنی آمد سے شعبہ کو عزت بخشی اور شعبہ کی ترقی کے سلسلہ میں اپنے خوش کن جذبات واحساسات کا اظہار کیا۔

23 دسمبر کو ڈاکٹر محمد منظور عالم (چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف اوبجکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی وسابق اڈوائزر منسٹری آف فائنانس سعودی عرب) شعبہ میں تشریف لائے۔ انہوں نے اہم علمی گفتگو کی جس میں صدر شعبہ اور اساتذہ کے علاوہ طلبہ بھی شریک تھے۔ جناب مہمان محترم نے اسلامی، سیاسی، سماجی موضوعات پر تحقیقی کتابوں کے ہندوستانی زبانوں میں ترجمے کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالی۔ آپ کے اندر امت کا درد موجزن ہے۔ آپ نے ادارہ (انسٹی ٹیوٹ آف اوبجکٹیو اسٹڈیز) کے تعلق سے بتایا کہ عام مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا اور اسلام کے تعلق سے غیر مسلموں میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا اس ادارہ کے اہم مقاصد میں سے ہیں۔ آپ نے دوران گفتگو شعبہ کی خاتون اساتذہ کی خواتین کے حقوق اور مقام کے حوالہ سے اسلام اور دگر مذاہب کے تقابلی مطالعہ کی طرف توجہ مبذول کرائی اور اس ضمن میں اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب تصنیف وتالیف کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ترغیب دی۔

چھٹا جلسہ تقسیم اسناد

26 دسمبر کو یونیورسٹی میں چھٹے جلسہ تقسیم اسناد کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے تین طلبہ سید عبد الرشید (2014)، ذیشان سارہ (2015) اور صالح امین (2016) کو پوسٹ گریجویشن میں امتیازی نمبرات سے کامیابی کے لئے طلائی تمغے (Gold Medal) سے نوازا گیا۔ اس کنووکیشن میں شعبہ سے فارغ ہونے والے طلبہ وطالبات کو بھی سندیں عطا ہوئیں۔ ان کے نام ہیں: سیدہ آمنہ، سید عبدالقادر، عابد حسین، مظہر ربانی، توفیق اللہ بخاری، سید منہاج، زرفشاں عمارہ، عبدالرقیب۔

☆☆☆

دار المصنفین - تعارف اور خدمات

امانت علی، ایم فل

عباسی عہد خلافت کے عظیم فرمانرواں ہارون رشید نے علم وحکمت کی ترویج واشاعت اور علوم اسلامیہ کے فروغ کے لئے بیت الحکمۃ کی بنیاد ڈالی تھی، جس کی وجہ سے بغداد دنیا کے نقشے پر علم وحکمت کا عظیم مرکز ثابت ہوا، حتی کہ خواندگی کی شرح 95 فیصد کو پہنچ گئی تھی، جب کہ اس وقت یورپ اپنے تاریک ترین دور سے گزر رہا تھا۔ بیت الحکمۃ کی اس حیرت انگیز کامیابی کے زیر اثر پوری دنیا میں اس طرح کے تحقیقاتی ادارے قائم ہونے لگے۔ ہندوستان میں بھی علم وتحقیق کی اشاعت کے لئے بہت سے تحقیقاتی ادارے اور اکیڈمیاں وجود میں آئیں اور تا ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے؛ لیکن اس میں دو نام بہت اہمیت کے حامل ہیں: دائرۃ المعارف حیدرآباد اور دارالمصنفین اعظم گڈھ، ذیل میں دارالمصنفین کا تعارف اور ان کی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

دارالمصنفین کا خیال علامہ شبلی کے دل میں نہ جانے کب سے تھا، مگر انہوں نے اس کا اظہار پہلی مرتبہ مارچ 1910ء میں ندوۃ العلماء کے اجلاس دہلی میں کتب خانہ کی ضرورت کے سلسلہ میں کیا۔ اس اجلاس میں سید سلیمان ندوی نے بھی علامہ شبلی کے مشورے سے دارالعلوم کی جدید عمارت میں کتب خانہ کی ضرورت پر تقریر کی، جس میں انہوں نے دارالمصنفین کے قیام کی تجویز پیش کی۔ یہ منصوبہ ابھی زیر غور تھا کہ ندوۃ العلماء میں شبلی کی مخالفت شروع ہوگئی، جس سے بد دل ہوکر شبلی نے ندوہ کو خیرآباد کہہ دیا؛ لیکن دارالمصنفین کے قیام کا منصوبہ سرد نہیں پڑا، بلکہ اس کے جائے وقوع کے سلسلے میں غور وغوض شروع ہوگئی۔ شبلی ندوہ میں ہی دارالمصنفین قائم کرنا چاہتے تھے؛ لیکن حالات اس کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے اپنی موروثی جائیداد میں دارالمصنفین کی بنیاد رکھی، تعمیر کا کام بھی شروع ہوگیا؛ لیکن ابھی وقف نامہ ہی زیر تحریر تھا کہ 18 نومبر 1914ء کو دارالمصنفین کی تکمیل کی حسرت لئے قوم کا نیر تاباں غروب ہوگیا۔ شبلی نے دارالمصنفین کا جو خاکہ تیار کیا تھا، انکے شاگرد باتوفیق سید سلیمان ندوی نے اس کی تکمیل کا تہیہ کیا اور شبلی کی وفات کے تین دن بعد، جاں نثاران شبلی سر جوڑ کر بیٹھے، حمید الدین فراہی کی دعوت پر ''اخوان الصفا'' کے نام سے پانچ افراد پر مشتمل ایک مجلس تاسیسی قائم ہوئی، جس کے ارکان یہ تھے: مولانا حمید الدین فراہی (رئیس مجلس)، سید سلیمان ندوی (ناظم)، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا مسعود علی ندوی اور مولانا شبلی متکلم ندوی۔ یہی عارضی مجلس ''اخوان الصفا'' گویا دارالمصنفین کا نقطۂ آغاز ہے۔

شبلی کے باغ وبنگلے کے وقف کی تکمیل اور آمدنی کی ابتدائی صورت پیدا ہوجانے کے بعد 25 مئی 1915ء کو دارالمصنفین کا پہلا اجلاس ہوا، جس میں حسب ذیل افراد کو دارالمصنفین کا رکن اساسی منتخب کیا گیا: صدر: مولانا حمید الدین، ناظم: مولانا سید سلیمان ندوی، منیجر: مولانا مسعود علی، ارکان: حامد نعمانی ابن شبلی، مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی، نواب سید علی خان لکھنؤ، پروفیسر شیخ عبد القادر (پونہ)، مولانا عبد اللہ عمادی، نواب عماد الملک، سید حسین بلگرامی (حیدرآباد)، مولانا عبدالماجد دریابادی۔

دارالمصنفین کے پہلے ناظم سید سلیمان ندوی ہیں، جنہوں نے تقریباً تیس سال تک دارالمصنفین کو خون جگر سے سینچا اور پروان چڑھایا۔ ان کے بعد شاہ معین الدین ندوی اس کے ناظم منتخب ہوئے، جو تقریبا پچاس سال تک دارالمصنفین سے وابستہ رہے، اور تقریبا اٹھائیس سال تک دارالمصنفین کے ناظم رہے۔ ان کے عہد میں بھی دارالمصنفین نے خوب ترقی کی منزلیں طے کیں۔ ان کے علاوہ اس کے نظماء میں صباح الدین عبد الرحمٰن، عبد السلام قدوائی، (شریک ناظم) مولانا ضیاء الدین اصلاحی اور پروفیسر اشتیاق احمد ظلی شامل ہیں۔

دارالمصنفین کے موجودہ اراکین میں نواب مفخم جاہ بہادر صدر، جناب سید حامد نواب ریاض الرحمٰن خان شیروانی، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سعید محمد مجددی، مولانا تقی الدین ندوی، مرزا امتیاز بیگ، ڈاکٹر سلمان سلطان، پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، ظفر الاسلام خان، ظفر الاسلام اصلاحی، عبد المنان ہلالی، اور ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی شامل ہیں۔

دارالمصنفین کے قیام کے وہی مقاصد تھے جو بیت الحکمۃ بغداد کے تھے، ''دارالمصنفین کی تاریخی خدمات'' کے دیباچہ میں اس کے مقاصد کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے:

1. ملک میں اعلیٰ مصنفین اور اہل قلم کی جماعت پیدا کرنا، 2. بلند پایہ کتابوں کی تصنیف وتالیف اور ترجمہ کرنا، 3. ان کی اور دیگر علمی ادبی کتابوں کی طبع واشاعت کا انتظام کرنا۔

آج دارالمصنفین کی خدمات کے مطالعہ کے بعد پوری دیانتداری کے ساتھ یہ اعتراف کیا جاسکتا ہے کہ دارالمصنفین اپنے مقاصد کی حصولیابی میں بہت حد تک کامیاب ثابت ہوا ہے۔ اس میں دار التصنیف، دار الاشاعت، دار الطباعت، شعبہ رسالہ معارف، دار الکتب جیسے اہم شعبے خدمات انجام دے رہیں۔ ادارہ کے کتب خانہ میں عربی، فارسی، انگریزی اور اردو کی بیش بہا کتابیں اور نادر مخطوطات موجود ہیں، عربی مخطوطات میں کتاب الجمل، شرح نہج البلاغۃ، کتاب المیز ان، احیاء العلوم اور فتاویٰ عالمگیری، اور فارسی مخطوطات میں اکبر نامہ، مونس الارواح، سر اکبر، روضۂ تاج محل، کلیات کلیم، ظفر نامہ امیر تیمور، تاریخ فرشتہ، قصص العجائب، تزک جہانگیری، سفینۃ الاولیاء، تذکرہ مخزن الغرائب، مرآۃ العالم، فرنگ جہانگیری، کلمۃ الحقائق، مدارج النبوۃ قابل ذکر ہیں۔

علامہ شبلی کے تیار کردہ دارالمصنفین کے خاکہ میں ایک علمی رسالہ کا اجراء بھی شامل تھا، شبلی نے اس کا نام معارف تجویز کیا تھا، ساتھ ہی اس کے اغراض ومقاصد کا خاکہ بھی تیار کردیا تھا۔ شبلی کی ناگہانی وفات کی وجہ سے ان کی زندگی میں یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، مگر جب ان کے لائق شاگرد سید سلیمان ندوی نے اپنے استاذ کی وصیت کے مطابق ان کے علمی خوابوں کی تکمیل کا بار اٹھایا تو دارالمصنفین کے ساتھ اس علمی رسالہ کی اجراء کی بھی فکر دامن گیر ہوئی، اور تقریبا ڈیڑھ، پونے دو سال بعد جب دارالمصنفین نے جون 1916ء میں اپنا پریس قائم کیا تو شبلی کا یہ دیرینہ خواب سید صاحب کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچا۔ معارف کا پہلا شمارہ جولائی 1916ء میں منظر عام پر آیا اور آج تک یہ رسالہ انتہائی پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، یہ رسالہ دارالمصنفین کا علمی ترجمان ہے۔

1965ء میں دارالمصنفین کی گولڈن جبلی منائی گئی۔ اس کے بعد اس کی عظیم خدمات کے پیش نظر حکومت ہند نے یہ پیش کش کی تھی کہ دارالمصنفین کو سرکاری سرپرستی میں دیدیا جائے، لیکن اس وقت کے ناظم شاہ معین الدین نے اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔

دارالمصنفین نے جن اہل قلم کی تربیت کا فریضہ انجام دیا ہے، ان کے گوہر قلم کے درنایاب نے علمی لائبریریوں میں گراں قدر اضافہ کیا ہے، ان میں چند ممتاز نام یہ ہیں: سید سلیمان ندوی، عبد السلام ندوی، شاہ معین الدین ندوی، عبد الباری ندوی، ریاست علی ندوی، ابوظفر ندوی، صباح الدین عبدالرحمٰن، ابوالحسنات ندوی، سعید الانصاری، مجیب اللہ ندوی، اویس نگرامی، عمیر الصدیق ندوی، یوسف کوکن، عبد السلام قدوائی، شاہ نصر احمد پھلواروی، محمد منصور نعمانی، ڈاکٹر نعیم صدیقی۔

دارالمصنفین ایک ادارہ نہیں ایک تحریک ہے، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ دارالمصنفین کی خدمات ہمہ جہت ہیں؛ لیکن اتنا ضرور ہے کہ علمی میدان میں ان کی خدمات انتہائی درخشاں ہیں، معارف کا اجراء اور اس کا اس تسلسل کے ساتھ جاری رہنا آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ دارالمصنفین سے شائع ہونے والی علمی اور تحقیقی کتابیں ان سب پر مستزاد ہیں، یہاں پر جن موضوعات پر خامہ فرسائی کی گئی ہے ان میں سیرت نبوی، سوانح وتذکرہ، حدیث وفقہ، تصوف وسلوک، تاریخ، فلسفہ، سائنس، علم الکلام، اردو ادب وغیرہ شامل ہیں۔ دارالمصنفین سے بعض اہم کتابوں کا ترجمہ کرایا گیا ہے، اب تک تقریباً ڈھائی سو کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ سیرت کے موضوع پر سب سے پہلی کتاب سیرت النبی لکھی گئی، جو سات جلدوں پر مشتمل ہے پہلی دو جلد علامہ شبلی کی ہیں، باقی جلدیں شاگرد رشید سید سلیمان ندوی کی ہیں، اس کے علاوہ سید سلیمان ندوی کی دو کتابیں خطبات مدراس اور رحمت عالم سیرت کے موضوع پر طبع ہوچکی ہیں، سیر صحابہ کی بارہ جلدوں کا عظیم الشان کارنامہ بھی دارالمصنفین کا ہی حصہ ہے۔

تاریخ اسلام کے سلسلے میں دارالمصنفین کا نمایاں کارنامہ ہے، جس کی ایک جھلک یہاں پیش کی جاتی ہے:

1-4. تاریخ اسلام (چار جلدیں) از مولانا شاہ معین الدین ندوی، 5-6. تاریخ دولت عثمانیہ (دو جلدیں) از ڈاکٹر محمد عزیر، 7-8. تاریخ صقلیہ (دو جلدیں)، 9. تاریخ اندلس از ریاست علی ندوی، 10. اسلام اور عربی تمدن، 11. عرب کی موجودہ حکومتیں از مولانا شاہ معین الدین ندوی، 12. عرب وہند تعلقات از سید سلیمان ندوی، 13. عربوں کی جہاز رانی از سید سلیمان ندوی۔

دارالمصنفین کی ان تاریخی تصانیف کو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ یہ مطبوعات ہندوپاک کی یونیورسٹی کی نصابی ضرورت کو بھی پورا کرتی ہیں۔ دارالمصنفین کی خدمات کے جائزہ کے لئے بھی کئی کتابیں ترتیب دی گئی ہیں، ان میں ''دارالمصنفین کی تاریخی خدمات'' مطبوعہ خدا بخش لائبریری پٹنہ، ڈاکٹر الیاس اعظمی کی جس میں دارالمصنفین کی تاریخی خدمات کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے، بہت اہم ہے، اسی طرح ڈاکٹر خورشید نعمانی کی کتاب ''دارالمصنفین کی ادبی خدمات'' بہت چشم کشا ہے۔

☆☆☆

دھلی کا ایک علمی سفر

محمد عامر، ایم فل

(24 نومبر 2016ء کو شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئ دہلی میں ایک روزہ مشیر الحق ریسرچ اسکالرس سیمینار کا انعقاد ہوا، جس میں شعبہ سے تین اسکالرس نے شرکت کی تھی، ذیل میں اس سیمینار کی روداد پیش کی جارہی ہے۔)

اعلان آیا، جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ''یک روزہ مشیر الحق ریسرچ اسکالرس سمینار''، جامعہ کا نام دیکھتے ہی بہت کچھ یاد آ گیا، اساتذہ کی محبتیں، دلفریب یادیں، دوستوں کے لڑائی جھگڑے اور بہت کچھ، بس دل چاہا کہ

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

پیپر بھیجا، الحمد للہ سلیکٹ ہو گیا۔ میرے علاوہ میرے دو سینئر ساتھی سید عبد الرشید اور صالح امین کے بھی پیپرس منتخب ہوئے اور ہم تینوں کا ایک ساتھ جانا طے پایا۔ 22 نومبر 2016 کی شب ہم تینوں نظام الدین ایکسپریس سے چل کر 24 نومبر کی صبح 4 بجے نظام الدین اولیاءؒ سے منسوب اسٹیشن دہلی پہنچے۔ ٹرین میں بیٹھتے ہی مولانا عبد الرشید صاحب نے دعا کا اہتمام کروایا اور مشورہ کیا کہ ''ہم جماعت کا امیر کسی کو منتخب کرلیں''۔ اس مخصوص اصطلاح کا سننا تھا کہ میرا اور صالح امین صاحب کا دل دھک سے ہو کر رہ گیا کہ مولانا اب تعلیم اور گشت کے آداب نہ بیان کرنے لگ جائیں۔ خیر! مولانا بھی موقع کی نزاکت کو سمجھ چکے تھے، فوراً کہنے لگے: ارے بھئی! یہ کوئی جماعت کی سنت نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے۔ خیر! معاملہ امیر، خازن اور رہبر تک ہی محدود رہا۔ مولانا عمر، علم، تجربہ سب میں بڑے تھے، لہٰذا امیر بنائے گئے، صالح بھائی شریف معلوم ہوتے ہیں اس لئے خزانچی منتخب ہوئے، بدقسمتی سے ان حضرات کو میری رہبری برداشت کرنی پڑی۔

وہ ہمیں وضع داری سکھانے چلے
جن سے اپنا ہی دامن سنبھلتا نہیں

ہمارے کیبن میں سامنے ایک ادھیڑ عمر شخص تھے، برابر میں ایک نوجوان تھا اور اوپر کی برتھ پر ایک خاتون، سب برادران وطن تھے۔ سفر کے سلسلہ میں ہم نے ایک اصول بنایا، بنایا کیا بلکہ اپنے اساتذہ سے سیکھا ہے کہ دوران سفر بطور خاص برادران وطن کے ساتھ انتہائی شفقت اور مروت کا معاملہ کیا جائے، کچھ ضیافت بھی کی جائے۔ ندوہ کے ہمارے استاذ مولانا عبد العزیز بھٹکلی صاحب کو دیکھا کہ ٹرین میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں، کاٹون کے کاٹون پھل تقسیم کرتے ہیں۔ میں نے ان خیالات کا تذکرہ کیا تو صالح بھائی نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے حوالہ سے بتایا کہ مولانا نے نصیحت کی تھی کہ ٹرین میں اہل وطن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ مولانا عبد الرشید صاحب کی مرنجا مرنج، رنگا رنگ اور جل ترنگ طبیعت کے کیا کہنے، عمدہ اشعار، خوبصورت ادبی شہ پاروں اور لطیف شگوفوں نے تو سفر کا مزہ دوبالا کر دیا۔ مولانا ایسے خوش مزاج ہیں کہ آدمی سفر آخرت پر بھی آپ کو ساتھ لے جانے کی خواہش کرے۔

خلد میں بھی یہ بلا یاد آئی

صالح امین بھائی، شرافت اور متانت کے پیکر، جناب کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہیں، جس کی وجہ سے اپنی عمر سے بیس سال بڑے لگتے ہیں۔ سفر شروع ہونے کے بعد میں نے شکر ادا کیا کہ مجھے ان کے ساتھ اکیلے سفر کرنے سے اللہ نے محفوظ رکھا۔ موصوف اتنے کم گو ہیں کہ کبھی کبھی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے منہ کا جائزہ لیا جائے کہ زبان کا وجود ہے بھی کہ نہیں، بس گھنٹے دو گھنٹے پر آدھ، پون بار مسکرا دیتے تو ہمیں احساس ہوتا کہ ہمارے ساتھ تیسرا بھی کوئی ہے۔

24 تاریخ کی صبح 4 بجے تڑکے نظام الدین اسٹیشن اترے، گلابی سردی، کھلی ہوئی فضا، سارا عالم شہر خموشاں تھا، پوری دلی پر سکوت طاری تھی۔ اسلامک اسٹڈیز ڈپارٹمنٹ کی طرف سے ہمارے ٹھہرنے کا انتظام جواہر لال نہرو گیسٹ ہاؤس میں کیا گیا تھا۔ ویل فرنشڈ کمرہ، سجا سجایا، گرم پانی، وائی فائی، ٹی وی کی سہولت کے ساتھ بالکل مفت۔ کسی تھری اسٹار ہوٹل سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔ مولانا عبد الرشید صاحب نے یہ سب دیکھ کر فرمایا: کہاں ہم اور کہاں یہ مقام، یہ تو بس علم کا فیض ہے۔ مولانا کا تبصرہ بالکل درست تھا، سمینار کے منتظمین نے ضیافت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

یہ ایک روزہ ریسرچ اسکالرس سمینار جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے ریسرچ اسکالرس کی ایک تنظیم ''بزم تحقیق'' کی طرف سے منعقد کیا جارہا تھا۔ اس میں ہندوستانی یونیورسٹیز کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز سے اسکالرس کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ریسرچ اسکالرس کو سمینار میں شرکت کے مواقع فراہم کئے جائیں تاکہ ان کو اپنی صلاحیت بروئے کار لانے کا موقع مل سکے اور ان کی ذہن سازی ہو سکے۔ اپنی نوعیت اور افادیت کے اعتبار سے یہ سمینار بہت اہم اور مفید تھا۔ اسی مقصد کے تحت سمینار کو کسی مخصوص موضوع میں محدود نہیں کیا گیا تھا؛ بلکہ اسکالر کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے ریسرچ ایریا میں کوئی بھی موضوع منتخب کرلے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ اسکالرس شریک ہو سکیں۔ اس کے لئے شعبہ کے ذمہ داران قابل مبارک ہیں اور ملک کے دیگر شعبوں کو بھی اس سلسلے کو آگے بڑھانا چاہیے اور اس طرف سنجیدہ کوششیں کرنی چاہیے۔

24 نومبر کو ٹھیک دس بجے میر تقی میر ہال میں ابتدائی نشست کا آغاز ہوا۔ کلمات آغاز ڈاکٹر خالد خان صاحب نے پیش کئے، جس میں ''بزم تحقیق'' کے مقاصد اور خدمات پر روشنی ڈالی، انہوں نے بتایا کہ یہ ریسرچ اسکالرس کی ایک تنظیم ہے، اس کا آغاز پروفیسر مشیر الحق صاحب نے کیا تھا، اس کے تحت مختلف سرگرمیاں انجام دی جاتی ہیں، جیسے:

☆ ہر ماہ اسکالرس اپنا مقالہ پیش کرتے ہیں۔ ☆ ایک کتاب چھپوائی گئی ہے۔ ☆ استقبالیہ تقریب کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ☆ ماہ رمضان میں افطار پارٹی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ☆ لائبریری کی زیارت۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان سارے پروگراموں اور اس عالی شان معیاری سیمینار کے مصارف اسکالرس خود برداشت کرتے ہیں، یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ اس کے بعد پروفیسر شاہد اشرف صاحب پی وی سی جامعہ ملیہ اسلامیہ نے خطاب کیا اور ریسرچ کے موضوع پر اہم نکات بیان کئے، جیسے:

☆ ریسرچ منطقی ہونی چاہیے۔ ☆ اسلام کے حوالہ سے بہت سے موضوعات ابھی تشنہ تحقیق ہیں، ان پر توجہ دینی چاہیے۔

اس کے بعد احمد پیام صدیقی صاحب آئی پی ایس نے گفتگو کی۔ ان کی گفتگو اسلام اور سماج سے متعلق تھی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ بہت سارے مسائل کو سماجی نوعیت کے حوالہ سے سمجھنا چاہیے، مختلف حالات میں فیصلے بدل جاتے ہیں۔ اخیر میں صدر شعبہ ڈاکٹر اقتدار محمد خان صاحب نے سیمینار کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور تمام شرکاء کا خیر مقدم کیا۔ چائے کے وقفہ کے بعد دو ہالوں میر انیس ہال اور ٹیگور ہال میں دو متوازی نشستیں ہوئیں۔ ظہرانہ اور ظہر کے بعد دونوں ہالوں میں دو متوازی نشستیں تقریبا 4 بجے تک جاری رہیں۔ اختتامی نشست پروفیسر اختر الواسع صاحب کی سرپرستی میں ہوئی۔ سمینار میں شریک ہونے والوں کی تعداد 50 کے قریب تھی۔ جس میں اسکالرس کی تعداد 37 اور مقالہ نگاروں کی تعداد 27 تھی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ سے اسکالرس نے شرکت کی، ہمیں بتایا گیا کہ کشمیر یونیورسٹی سے بھی اسکالرس شریک ہونے والے تھے لیکن ''نقود کی بے اثری'' سے متاثر ہونے کی وجہ سے وہ شرکت نہیں کر سکے۔

اختتامی نشست میں مہمان مقالہ نگاروں کو اپنے تاثرات کے اظہار کا موقع دیا گیا۔ ہم نے امیر صاحب کو آگے بڑھا دیا۔ مولانا نے جم کر شکریہ ادا کیا اور خوشگوار تاثرات سے حاضرین کو متاثر کیا۔ اختتامی نشست کی صدارت پروفیسر اقتدار محمد خان صاحب کر رہے تھے، جبکہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر اختر الواسع صاحب تشریف فرما تھے۔ واسع صاحب نے بہت قیمتی باتیں کیں، چند جو یاد رہ گئیں ہیں، حاضر خدمت ہیں، آپ تحقیق کے متعلق فرما رہے تھے کہ:

☆ حقائق جہاں لے جائیں وہاں جانا چاہئے، پہلے سے خیال کا جالہ نہیں بُننا چاہئے۔ ☆ ہمیں حق کا ساتھ دینا چاہئے عبد الحق کا نہیں۔ ☆ ایسا موضوع لینا چاہئے جس کا زمانے سے ربط ہو۔ ☆ جس موضوع پر کام کر رہے ہوں اس کی اصل زبان سے واقفیت ضروری ہے۔ ☆ اسلامک اسٹڈیز کے حوالہ سے ریسرچ میتھاڈالوجی پر کتاب آنی چاہئے۔ ☆ زندہ شخصیتوں پر کام نہ کیا جائے۔ ☆ اچھی کتابوں کا دوسری زبان سے ترجمہ ہونا چاہئے۔

پروفیسر اقتدار محمد خان صاحب کے صدارتی کلمات اپنے استاذ پروفیسر اختر الواسع صاحب کی موجودگی میں اتنے ہی مختصر کر ہو گئے جتنی حنفیوں کے ہاں نماز میں ماثورہ دعائیں ہوتی ہیں۔ اسی کے ساتھ سمینار اختتام پذیر ہوا۔ جامعہ والوں نے واقعی بہت خوبصورت سمینار کیا تھا اور اس سے بھی زیادہ خوش اسلوبی سے پیش آرہے تھے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ 24 نومبر کی شب ہم نے اپنے غریب خانہ پر دونوں ساتھیوں کو مدعو کیا تھا۔ دلی کی سردی میں پائے کھانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ یہ اور بات ہے کہ نہ سردی اب کی اس کڑاکے کی تھی اور نہ ہی پائے اتنے لحیم شحیم۔ دوسرے دن یعنی 25 کو جمعہ تھا۔ میں گھر آ گیا، دیگر ساتھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ 26 کی صبح فجر کے بعد خیال ہوا کہ یہاں قریب میں چند علمی شخصیتیں ہیں، ان سے ہمارے ساتھیوں کی ملاقات ہو جائے تو سفر وصول ہو جائے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر ظفر الاسلام خان صاحب کے دولت کدے گئے، ہم نے بے اصولی یہ کی کہ پیشگی اطلاع کئے بغیر پہنچ گئے، اس کا وہی انجام ہوا جو ہونا چاہئے تھا، موصوف مصروف تھے۔ 9 بجے کے بعد فون کر کے وقت لینے کو کہا گیا۔ وہاں سے ہم ڈاکٹر شاہ عبد الرحمٰن نشاط صاحب خلیفہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے یہاں پہنچے۔ دوبارہ ہم نے وہی غلطی کی؛ لیکن قرابت داری کی وجہ سے وہ راقم کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ہم ساڑھے آٹھ بجے ان کے گھر پر حاضر ہوئے، ملاقات ہوئی، بہت خوش ہوئے، ہمارے ساتھ مولانا عبد الرشید صاحب تھے۔ ہمارے پاس بہت کم وقت تھا۔ عبد الرشید صاحب کا ساڑھے نو بجے سے مولانا وحید الدین خان صاحب سے اپائنٹمنٹ تھا، اس لئے مختصر ملاقات رہی۔ شاہ عبد الرحمٰن نشاط صاحب نے شکاگو سے انگریزی زبان میں پی ایچ ڈی کی ہے۔ کئی سال اسی یونیورسٹی میں پڑھایا۔ مولانا علی میاںؒ سے آپ کی خصوصی نسبت ہے۔ مولانا ہی کے اصرار پر آپ اعلی تعلیم کے لئے امریکہ گئے، پھر کئی برس ام القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ اور ملک خالد یونیورسٹی، ابہا میں انگریزی پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ آج کل ابو الفضل، نئی دہلی میں مقیم ہیں۔ آپ اہل علم، صاحب دل ہیں اور نسبت روحانی بھی رکھتے ہیں۔ اس مختصر سی ملاقات میں انہوں نے کئی اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی، جنہیں ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے:

☆ اسلام کو پرامن مذہب کے طور پر پیش کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کی جنگوں کی صحیح تاویل کرنے کی ضرورت ہے۔

موصوف نے اپنی کئی کتابیں ہمیں، صدر شعبہ اور وی سی صاحب کو ہدیہ کیں، جو انہیں موضوعات پر ہیں۔

اگلے دن 27 نومبر کی صبح ہم کرناٹک سمپرک کرانتی سے چل کر 28 کو شہر نوابا، حیدر آباد بخیر و عافیت پہنچ گئے۔

☆☆☆

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے اہم مقاصد

سید منہاج، ایم فل

ربیع الاول ایک بابرکت مہینہ ہے، جس میں اللہ تعالی نے اپنے آخری نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کو پیدا فرمایا۔ اس ماہ کی آمد پر جہاں مسلمانوں کے دل خوشی و مسرت کے جذبات سے سرشار ہوتے ہیں وہی آپ ﷺ کے بعثت کے مقاصد بھی ہمارے ذہنوں میں تر و تازہ ہو جاتے ہیں اور ان مقاصد کی آگاہی سے نائبین و وارثین انبیاء کو اپنے نبی کے راستہ اور طریق کار کی نہ صرف نشاندہی ہوتی ہے بلکہ اس راستہ پر گامزن ہونے میں بھی مدد ملتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم ﷺ کو کس مقصد کے تحت دنیا میں مبعوث فرمایا؟ لہٰذا جب ہم ان مقاصد کی تلاش کے لئے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو قرآن کریم ان مقاصد کو واضح طور پر بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ھو الذی بعث فی الامین رسولا منھم یتلو علیھم ایتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتب و الحکمہ و ان کانو ا من قبل لفی ضلل مبین﴾۔ (جمعہ:2) (وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے)۔

اس آیت مبارکہ میں آپ ﷺ کے بعثت کے جو مقاصد بیان کئے ہیں، وہ یہ ہیں: تلاوت آیات کتاب اللہ، تزکیہ نفس، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت۔

تلاوت آیات سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ ان پر اللہ کی کتاب قرآن مجید کی تلاوت کریں یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کے وجود اور اس کی وحدانیت پر جو دلائل آیات اور علامات ہیں ان کو بیان کریں، اسی طرح کتاب کی تعلیم سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں ان پر عمل کر کے دکھلائیں اور جن آیات کے شرعی معنی بیان کرنے کی ضرورت ہے ان کے شرعی معنی بیان کریں، اور حکمت سے مراد یہ ہے کہ احکام قرآنی کی ایسی تفصیل اور ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی اُس طرح تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے رب کا منشا ہے، لہٰذا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نبی کریم ﷺ کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھا دیں؛ بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھا دیں؛ تاکہ قرآن پر اللہ تعالی کے منشا کے مطابق عمل ہو سکے۔ بعض اصحاب نے حکمت سے مراد سنت نبوی ﷺ بھی مراد لیا ہے۔ حکمت سے مراد منشا الٰہی کے مطابق قرآن کی تفصیل ہو یا سنت نبوی ﷺ مگر یہ بات طے ہے کہ حکمت کا بیان نبی کریم ﷺ کا ذاتی اجتہاد نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ بھی اللہ تعالی کی جانب سے عطا کردہ ہوتا ہے؛ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وانزل اللہ علیک الکتاب و الحکم﴾ (النساء: 113) (اللہ تعالی نے آپ پر (اے نبی ﷺ) کتاب اور حکمت نازل فرمائی)۔

اور اصلاح نفس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ انہیں معصیت کی آلودگی سے پاک کرتے ہیں، ان کے ظاہر اور باطن کو رذائل اور نقائص سے دور کرتے ہیں اور ان کی عبادات میں خلوص و للّٰہیت اور دوام کو پیدا کرتے ہیں، جس سے ان کا قلب تجلیات الٰہیہ کا آئینہ بن جاتا ہے۔

جب آپ ﷺ نے ان مقاصد کی تکمیل کی کوششیں شروع کیں تو ابتدا میں کفار و مشرکین نے اس کا ردعمل لاپرواہی اور قطع تعلق کی صورت میں دیا، پھر انکے ردعمل میں سختی آتی گئی، پہلے استہزا اور مذاق اور پھر وہ مرحلہ بھی آیا جس میں انہوں نے تشدد و طاقت کا استعمال کیا اور آپ ﷺ کو اور آپ کی دعوت قبول کرنے والوں کو ایذا و تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

چنانچہ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے، جب آپ نماز میں ہوتے تو آپ کے سر مبارک میں مٹی ڈالی جاتی، غرض آپ ﷺ کی اہانت و تحقیر کے کسی طریقے سے دریغ نہ کیا؛ لیکن چونکہ آپ ﷺ اپنی بعثت کے مقاصد کو بخوبی جانتے تھے، لہٰذا آپ ﷺ ان تکالیف پر افسردہ ہوئے بغیر بار بار اہل مکہ کو توحید و رسالت کی دعوت دیتے۔ مکہ کے علاوہ آپ نے طائف کے لوگوں کو بھی دعوت توحید پیش کی اور آخر میں آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ یہاں پر بھی آزمائشوں کا سلسلہ جاری رہا؛ لیکن ان سب کے باوجود آپ ﷺ اپنے راستے پر گامزن رہے اور اپنی بعثت کے مقاصد کی تکمیل میں مسلسل لگے رہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے 23 سالوں تک فرائض نبوت کا کام انجام دیا، بالآخر اللہ تعالی نے فتح مکہ کی صورت میں آپ ﷺ کو شاندار کامیابی سے سرفراز فرما دیا۔

اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنی تمام عمر اسی فکر میں گزاری اور اپنے آپ سے ہمیشہ پوچھتے رہے کہ کیا میں نے اللہ کے پیغام کو پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے؟ کیا جس مقصد اور ہدف کے حصول کے لئے میرے رب نے مجھے انسانوں کی طرف مبعوث کیا تھا میں نے اپنی زندگی صرف کی ہے؟؟؟ چنانچہ ایک مرتبہ اسی طرح آپ نے اپنے جاں نثاروں سے سوال کیا تو سب نے بیک آواز جواب دیا: ہم گواہ ہیں کہ آپ نے اللہ کے دین کو پہنچا دیا، اپنے فرائض کو ادا کر دیا اور امت کی خیر خواہی فرما دی۔ اس جواب کے بعد آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ فرماتے اور پھر لوگوں کی طرف پھیرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا: ''اللھم اشھد، اللھم اشھد''۔ (اے اللہ! آپ گواہ رہیئے، اے اللہ! آپ گواہ رہیئے)۔

☆☆☆

امام ابن ماجہ اور سنن ابن ماجہ

ریشما انجم، ایم اے، سال اول

امام ابن ماجہ کا پورا نام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہ قزوینی ہے۔ آپ 209 ہجری میں ایران کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے۔ جس وقت آپ کی پیدائش ہوئی اس وقت ہر طرف علم حدیث کی سرگرمیاں زوروں پر تھی، اسی لئے آپ کی توجہ کا مرکز بھی یہی علم بنا۔ آپ نے تحصیل علم کی خاطر بصرہ، شام، مصر، رے، حجاز اور بغداد کا سفر کیا اور بکثرت ائمہ حدیث کی شاگردی اختیار کی جن میں ابوبکر بن ابی شیبہ، امام مالک اور امام لیث وغیرہ اہم ہیں۔ ساری زندگی حدیث اور علم کی خدمت کرتے ہوئے گزاری، اور دوشنبہ 22 رمضان المبارک 273 ہجری میں 67 سال کی عمر میں مالک حقیقی سے جا ملے۔

آپ کی علمی یادگاروں میں تین اہم تصانیف ہیں:

1- تفسیر: اس کی اہمیت کا اندازہ علامہ ابن کثیر کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ: ''ولا بن ماجہ تفسیر حافل'' یعنی ابن ماجہ کی ایک ضخیم و جامع تفسیر ہے۔

2- تاریخ: ان کو تاریخ میں بھی درک حاصل تھا اور تاریخ میں بھی کوئی کتاب لکھی تھی۔ ابن خلکان نے تاریخ ملیح اور حافظ ابن کثیر نے تاریخ کامل کے وصف سے اس کا ذکر کیا ہے، مگر افسوس ہے کہ یہ زمانے کی دست درازی سے معدوم ہوگئی۔

3- امام ابن ماجہ کی سب سے اہم تصنیف کتاب السنن ہے جس کو سنن ابن ماجہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

سنن ابن ماجہ

امام ابن ماجہ کا سب سے بڑا علمی اور تصنیفی کارنامہ آپ کی ممتاز اور شہرہ آفاق تصنیف سنن ہے۔ عام کتب سنن کی طرح اس میں بھی ایمانیات سے وصایا تک کے تمام ابواب فقہی ترتیب کے مطابق درج ہیں۔ اس کتاب میں 37 کتب 1514 ابواب اور 4341 احادیث ہیں۔ سنن ابن ماجہ حدیث کی ان چھ مشہور اور معتبر کتابوں میں شمار کی جاتی ہے جو صحاح ستہ کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ سنن ابن ماجہ کو صحاح میں آخری درجہ پر رکھا گیا ہے؛ تاہم اس میں بھی بعض اہم خصوصیات پائی جاتی ہیں، ذیل میں سنن ابن ماجہ کی چند اہم خصوصیات پر روشنی ڈالی جارہی ہے:

1. اس میں بہت سی ایسی احادیث موجود ہیں جن سے صحاح ستہ کی دوسری کتابیں خالی ہیں۔ ماہرین فن نے اسکی اسی خصوصیت کے بنا پر اس کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔

2. عدم تکرار اور اختصار کے باوجود سنن ابن ماجہ نہایت جامع کتاب ہے۔

3. سنن ابن ماجہ میں پانچ ثلاثی روایتیں ہیں، اس خصوصیت میں اس کو صحیح بخاری کے علاوہ تمام کتب صحاح پر فوقیت حاصل ہے۔

امام ابن ماجہ کی احتیاط اور کوشش کے باوجود سنن میں ضعیف روایتیں بھی شامل ہوگئی ہیں، مگر ایسی روایات کی تعداد بہت کم ہے۔ اس طرح کتب خمسہ کی ہر روایت صحت کے لحاظ سے ابن ماجہ کی ہر روایت پر فوقیت نہیں رکھتی، بعض علماء کا بیان ہے کہ سنن ابن ماجہ کی بعض روایتیں صحیح بخاری کی روایتوں سے بھی اصح ہیں۔

سنن ابن ماجہ کی ان خصوصیات کی وجہ سے ہر دور میں اس کی طرف توجہ کی گئی دورہ حدیث میں طلبہ کو اس کتاب کا درس دیا جاتا ہے۔ علماء نے اس کی شرح میں کئی کتابیں لکھی ہیں، اردو میں بھی اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

☆☆☆

''مسٹر مجسٹریٹ! اب میں اور زیادہ وقت کورٹ کا نہ لوں گا۔ یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور عبرت انگیز باب ہے جس کی ترتیب میں ہم دونوں یکساں طور پر مشغول ہیں۔ ہمارے حصہ میں یہ مجرموں کا کٹھرا ہے، تمہارے حصہ میں وہ مجسٹریٹ کی کرسی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کے لئے وہ کرسی بھی اتنی ہی ضروری چیز ہے جس قدر یہ کٹھرا۔ آؤ اس یادگار اور افسانہ بننے والے کام کو جلد ختم کریں۔ مؤرخ ہمارے انتظار میں ہے اور مستقبل کب سے ہماری راہ تک رہا ہے، ہمیں جلد جلد یہاں آنے دو اور تم بھی جلد جلد فیصلہ لکھتے رہو۔ ابھی کچھ دنوں تک یہ کام جاری رہے گا؛ یہاں تک کہ ایک دوسری عدالت کا دروازہ کھل جائے گا۔ یہ خدا کے قانون کی عدالت ہے، وقت اس کا جج ہے، وفیصلہ لکھے گا اور اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا''۔

(مولانا ابو الکلام آزاد)